

اللهم إجعلنا ملائكة حفظك على الدار

بنیادی اسلامی تکمیل سوالات جواباً

اخلاق

عبادات

عقائد

معاملات

از قلم

مدرس! مدرسہ فیض القرآن اوڈھرو وال

قاری محمد اکرم غفرنہ

پیش لفظ

دنیا میں انسان کی دو اہم ترین بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتہ کو قائم رکھنے کے لیے اسے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اخلاقی اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ مادی اور جسمانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین و آسمان میں ودیعت کر دیا ہے اور اخلاقی، تمدنی رہنمائی کے لیے اس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بیچھے۔ جنہوں نے زندگی گزارنے کا طریقہ انسان کو سکھایا، مذہب درحقیقت انسان کی دلی طلب کے جواب میں نازل شدہ ہدایت کا نام ہے۔ مذہب دراصل طلب اور تسکین طلب کے امتحان کا نام ہے جس طرح اس کائنات میں انسان کے ہر جذبہ اور ضرورت کی تسکین کا سامان موجود ہے اسی طرح مذہب کی تسکین کے ذرائع مہیا ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا عظیم الشان احسان ہے ورنہ کوئی انسان اس پیچیدہ مسئلہ کی گتھیوں کو کبھی بھی از خود نہ سلنجھا سکتا۔

دین کے معنی ہیں طریق زندگی قاعدہ یا ضابطہ جس کی پیروی کی جائے۔ لقولہ تعالیٰ:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلَيَ دِينُهِ

”تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔“
دین ایک مکمل ضابطہ حیات کو کہتے ہیں جس میں ایسے اصول و
قوانين ہوتے ہیں جن کو اپنا کر ہم اپنی زندگیوں کو کامران و بامراد
بانسکتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی معنی ہیں مکمل اطاعت و فرمانبرداری، سپردگی،
جھکنا، امن و سلامتی۔ لیکن گفتگو جب دین کی زبان میں ہو تو
اس وقت اس لفظ کے معنی صرف اس فرمانبرداری کے ہوتے ہیں جو
اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لیے ہو اور مسلم وہ ہوتا ہے جو احکام الہی
کے مطابق چلے اور ان سے سرتاسری نہ کرے۔ گویا خدائے بزرگ و
برتر کے مقابلے میں اپنی آزادی اور خود مختاری کے دستبردار ہو کر اس
کی اطاعت کے آگے سرستلیم خم کرنے کو اسلام کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ
اسلام صرف ایک مذہب نہیں ہے کیونکہ مذہب کا اطلاق عموماً عقائد
عبادات کے مجموعوں پر کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے دوسرے
حصوں مثلاً معاشرت، معيشت اور سیاست سے کوئی نہیں ہوتا۔ یہی
وجہ ہے کہ مذہب کو انسان کا ایک پرائیویٹ معاملہ سمجھا جاتا ہے۔
ہر مذہب کے دو جز ہیں۔ ایک کا تعلق انسان کے دل سے
اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے۔ پہلے
کو ایمان اور دوسرے کو عمل کہتے ہیں۔ اسلام میں نجات کا مدار انہی
دو چیزوں پر ہے۔ ایمان اور عمل صالح ایمان پائچی چیزوں پر اعتقاد
رکھنے کا نام ہے خدا تعالیٰ پڑ نیکی کی راہ پرانے والے پیغمبروں پر اور
پیغمبروں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے فرشتوں پر ان کتابوں
پر جن میں خدا تعالیٰ جل شانہ کے پیغام ہیں اس پیغام الہی کے

مطابق عمل کرنے والوں یا نہ عمل کرنے والوں کی جزا و سزا پر انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے کیونکہ ایمان اور یقین کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز عمل ہے یہ کہ ہمارے عمل صالح اور نیک ہوں، عمل کے تین حصے ہیں ایک عبادات یعنی وہ اعمال جن کے ذریعے خدا تعالیٰ جل شانہ کی بڑائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ پانچ وقت کی نماز، سال میں ایک ماہ کے روزے، عمر میں کم از کم ایک بار حج، سالانہ زکوٰۃ اور فریضہ جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی۔

دوم: معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاروبار اور نظم ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت برپا ہے اور ہلاکت سے بچتی رہتی ہے اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے۔

سوم: اخلاق یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر قانونی میثیت سے فرض نہیں ہیں مگر روح کی تنگیں اور معاشرت کی ترقی کے لیے ضروری ہیں انہی چیزوں یعنی ایمان، عبادات اور اخلاق کی سچائی اور درستی پر ہماری نجات کا مدار ہے۔ ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُنَيِّ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ. (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔)

پہلی چیز میں عقائد کا تمام دفتر سٹ جاتا ہے اور بقیہ چار

چیزیں ایک مسلمان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو محیط ہیں۔
 (ب) جو شخص صرف فرض عبادات کو بجا لاتا ہے اور اس باب کے نیچے کے مندرجہ جات سے پہلو تھی کرتا ہے اس کی اطاعت نامکمل ہے۔ یہیں سے یہ شبہ زائل ہوتا ہے کہ ہماری نمازیں ہم کو برائیوں سے باز کیوں نہیں رکھتیں۔ ہمارے روزے ہم کو تقویٰ کی دولت کیوں نہیں بخشنے؟ ہماری زکوٰۃ ہمارے دلوں کو کیوں پاک و صاف نہیں کرتی؟ ہمارا حج ہمارے گناہوں کی مغفرت کا باعث کیوں نہیں بنتا؟ اور قرن اول کی طرح ہماری نمازیں ملکوں کو فتح اور ہماری زکوٰۃ قومی افلاس کو دور کیوں نہیں کرتیں اور ہمارے سامنے دین و دنیا کی برکات کا انبار کیوں نہیں لگ جاتا۔ خدا کا یہ وعدہ ایمان اور عمل صارلح کے ساتھ مشروط ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ لَيَسْتَخِلْفُهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخَلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ.

”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں۔ اللہ وعدہ فرماجکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔“

اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادات میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ خدا تعالیٰ جل شانہ کی عبادات سے خالی نہ ہو۔ عملًا انسان کی پوری زندگی کے اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادات بن جانا آسان نہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
 لوگ آسان سمجھے ہیں مسلمان ہونا

اس کے لیے بڑی زبردست تربیت کی ضرورت ہے۔ یہی فرق ہے جس کے لیے اسلام میں نماز، روزہ حج، زکوٰۃ فرض کی گئی ہیں۔ ان کو عبادات سمجھنے کا مقصد یہ نہیں کہ بس عبادات یہی ہیں بلکہ یہ اصل عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہیں یا یہ اس کے لیے تربیت کا لازمی نصاب ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مسلمانوں کو روشناس کرنے کے لیے اور ان میں ایمانی روح پیدا کرنے کے لیے خاص طور سے اسی واسطے مرتب کی گئی ہے تاکہ کم پڑھے لکھے نوجوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں اس کو پڑھ کر یا سن کر اپنے اندر ایمانی روح اور اسلام والی زندگی پر عمل پیرا ہو سکیں۔

ہمارے معاشرے میں دین کے عملی تعلل نے بہت سے مسلمانوں کو بنیادی فرائض سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے۔ کئی مسلمان عقائد و عبادات کی بنیادی تعلیم سے نا آشنا ہیں۔ جبکہ دین کی بنیادی فہم، عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت کی ضروری معلومات اور حلال و حرام کی تمیز حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

کئی مسلمان کلمہ، نماز اور نماز جنازہ کے درست تنظیم پر قادر نہیں اور انہیں طہارت (وضوء، غسل) کے مسائل اور طریقے تک کا علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائے، فی زمانہ اس فرض سے جتنی کوتاہی برتبی جا رہی، اس کا انجام کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اول تو مسلمانوں کے اپنے اس فرض سے کوتاہی برتنے کی

وجہ سے حلال و حرام کی تمیز ہی مٹی جا رہی ہے اور اس پر ظلم یہ کہ حرام کو حلال بنانے کے لئے مختلف قسم کے بے جان حیلے تراش تراش کر دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور ایک اسلامی معاشرے سے اسلامی شخص کو مٹانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ علماء سے مسائل دریافت کرنے کے بجائے جدید طرز کے نام نہاد اسلامی سکالرز اور پروفیسرز کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ یہ سکالرز اور پروفیسرز شرعی اصولوں کی ابجد تک سے واقف نہیں اور لوگوں کو دھڑا دھڑ حرام کو حلال کرنے کے طریقے بتا رہے ہیں۔

اور ہمارے آئندہ مساجد اور خطباء کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل بتانا گوارہ ہی نہیں کرتے، حالانکہ خطبه جمعہ کا مقصد ہی یہی ہے کہ لوگوں کو مسائل بتائے جائیں، نہ کہ قصے کہانیوں پر ٹرخا دیا جائے۔

اے علمائے امت! اپنے فرض منصبی سے اتنی کوتاہی روز قیامت اللہ کے ہاں پکڑ کا سبب بن سکتی ہے۔ آپ کی خدمت میں دست بستہ موبدانہ گزارش ہے کہ خدا را اپنے فرض منصبی کو پہچانیں، لوگوں نے قصے کہانیاں بہت سن لی ہیں، اب آپ مسائل کی طرف توجہ دیں اور امت کو نام نہاد دین کے ٹھیکے داروں سے نجات دلوائیں۔

کیونکہ امت میں فتنے عام ہو گئے ہیں، افکار صحیح نہیں رہے ہیں اور مسلمانوں کو سنت اور صحیح راستے سے ہٹانے کے لیے، عقائد اعمال خراب کرنے کے لیے، مختلف طرق سے داخلی اور خارجی ذرائع

سے شکوک و شبہات پیدا کیے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے عموماً عوام اور خصوصاً جدید طبقہ دین سے دور ہو تا جا رہا ہے اور قلوب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی کمی آتی جا رہی ہے جو سب کے سامنے اور ہر دیندار کے مشاہدے میں ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ایسی کتابوں سے یا ایسی مجالس اور موقع سے فائدہ اٹھائیں خود کو اور اپنے بچوں کو دین کا علم سکھائیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پچی محبت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت اور قول فعل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی بنیاد مضمبوط کریں اور ان کو بتائیں کہ ہمارا دین صرف اور صرف اسلام ہے اور صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی مقتداء حقیقی ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

محمد اکرام غفرلہ

مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

۲۱ محرم ۱۴۳۵ھ

موہرہ کورچم (چکوال)
پاکستان
Chasham (Chakwal) Pakistan

سوال کرنے کی برکات

حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں : علاقہ خجد کا رہنے والا ایک شخص جس کے بال پر انگدہ تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا، وہ کچھ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کی بخوبی نہیں پارہے تھے۔ مگر اسے سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ جب وہ بالکل قریب آگیا تو ہم نے سنا کہ وہ سوال کر رہا ہے کہ مجھے اسلام کے ان خاص احکام سے مطلع فرمائیے۔ جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان میرے لیے اور سب کے لیے ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا : پانچ تو نمازیں ہیں دن اور رات میں ، اس نے عرض کیا کہ انکے علاوہ کوئی اور نماز بھی میرے لیے ضروری ہوگی؟ آپ نے فرمایا : نہیں ، البتہ تم اپنی خوشی سے جتنے نوافل چاہو ادا کرو۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا : ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ اس نے عرض کیا ، کیا رمضان کے علاوہ کوئی روزہ بھی میرے لیے لازم ہے۔ آپ نے فرمایا : نہیں ، لیکن تم نفلی روزے رکھ سکتے ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے روشناس کروایا۔ اس نے پوچھا: کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا : نہیں ، مگر تم اپنے دل کی خوشی سے اللہ کی راہ میں نفلی صدقہ دے سکتے ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو شریعت

اسلامیہ کے احکام بتائے (یعنی تمام بنیادی باتوں سے باخبر کیا)۔ اس کے بعد وہ شخص لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتایا میں اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو اس نے فلاح (دونوں جہانوں کی کامیابی) پالی۔ (بخاری، مسلم)۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوسی (دیپھاتی شخص) سامنے آکھڑا ہوا اور بڑی بے تکلفی سے آپ کی اونٹی کی مہار پکڑ لی، اور کہا: اے اللہ کے رسول مجھے وہ بات بتائیجے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے۔ آپنے اپنے رفقاء کی طرف دیکھا (انھیں متوجہ پا کر) فرمایا: اس شخص کو اچھی (بات پوچھنے کی) توفیق ملی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل سے فرمایا: ذرا پھر سے کہنا تم نے کیا کہا، اس نے اپنا سوال دہرا دیا۔ (مجھے وہ بات تلقین فرمائیے جو جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے) حضور نے ارشاد فرمایا: اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرتے رہو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرو (یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور ان کے حقوق ادا کرو)۔ یہ بات ختم فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے (بڑی خوش طبعی سے فرمایا بھی) اب

ہماری اونٹی کی مہار چھوڑ دو۔ (مسلم)

اسوہ خیر الورئی ہے رنگ و نو کا اک جہاں
آپ کا احسان ہے قلب و نظر کی روشنی

A decorative graphic consisting of three five-pointed stars arranged horizontally. Each star is connected to its neighbors by a dashed line segment, creating a chain-like effect.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک بدو (دیہاتی) حاضر ہوا اور عرض کیا میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہو ل۔ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خدمتِ اقدس میں موجود تھے۔ بدو نے سوالات کیے جنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی شاندار، مکمل، مختصر اور جامع جوابات دیے جو تمام مسلمانوں کے لیے مشغول راہ ہیں۔

..... بد نے عرض کیا میں امیر (غنی) بننا چاہتا ہوں؟

☆.....رسول اللہ! حصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....”قناعت اختیار کرو، امیر ہو جاؤ گے۔“

۰..... میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں؟

.....☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:.....لقوی اختیار کرو عالم بن جاؤ گے۔

۰.....میں عزت والا بننا چاہتا ہوں۔

☆..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مخلوق

کے سامنے ہاتھ پھیلانا بند کر دو، عزت والے بن جاؤ گے۔“

۵.....عرض کیا میں اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں۔

.....☆ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد

فرمایا:.....”مخلوق کو نفع پہنچاؤ، اپنے آدمی بن جاؤ گے۔“

○..... بدوانے عرض کیا میں عادل بننا چاہتا ہوں۔
رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:..... ”جسے اپنے لے اچھا سمجھتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔“ (عادل بن جاؤ گے)۔

○..... میں طاقتور بننا چاہتا ہوں۔
☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:..... ”اللہ سبحانہ، و تعالیٰ پر توکل کرو طاقتور بن جاؤ گے۔“

☆.....☆.....☆

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مجھے وصیت فرمائیے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:..... ”میں تجھ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اللہ کا ڈر تیری ہر چیز کے لیے زینت ہے۔“

○..... میں نے عرض کیا: اور فرمائیے!
☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:..... قرآن شریف پڑھا کر اور اللہ عزوجل کا ذکر کیا کر کہ اس آسمان میں تیرا ذکر ہو گا اور زمین میں تیرے لیے نور ہو گا۔

○..... میں نے عرض کیا اور فرمائیے!
☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:..... بہت زیادہ خاموش رہا کر اس سے شیطان دور ہو گا اور دین کے بارے میں تیری (غیب سے) مدد ہو گی۔

○..... میں نے عرض کیا: اور فرمائیے!

☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....

بہت زیادہ ہنسنے سے نج کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے -

○..... میں نے عرض کیا اور فرمائیے!

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....
”حق کہہ اگر چہ کڑوا لگے۔“

○..... میں نے عرض کیا، اور ارشاد فرمائیے!

☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....
”خدا تعالیٰ کے (حکم کے) میں کسی کو برا کہنے والے کے برا کہنے سے نہ ڈرت۔“

○..... میں نے عرض کیا، اور ارشاد فرمائیے!

☆..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....
”دوسروں کا وہ عیب نہ پکڑ جو تجھ میں ہے۔“

(مشکوٰۃ المصائب ص ۲۱۲، از بیهقی فی شعب الایمان)

اسلامی تعلیمات

حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے
○ شاگرد: استاد محترم! کیا اسلام کا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟ اور اس کے کیا فائدے ہیں؟

☆ استاد: اسلام کا علم حاصل کرنا یعنی دین کی ضروری باتوں کا جانا مسلمان ہونے کی سب سے پہلی شرط ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلَبُ الْعِلْمِ فَرِيَضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ و تہذیق)
”یعنی علم دین حاصل کرنے کی کوشش اور طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

ایمان پر انسان کی روحانی ترقی کی بنیاد ہے تو علم پر اس کی عقلی ترقی کا انحصار ہے، علم ہی ہے جس سے انسان اپنا برا بھلا سوچ سمجھ سکتا ہے اسی سے دماغ روشن ہوتے ہیں، یہی دنیا میں زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ لوگوں کو سکھاتا ہے، اسی پر قوموں کی ترقی کا مدار ہے، علم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انسان کو پڑھنے اور لکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے:

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ إِقْرَأْ

وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَمَ بِالْقَلْمِ ۝ عَلَمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

”پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اُس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے - پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اُس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ (سورہ العلق)

دُنیا میں علم کی دولت سب سے بڑی دولت ہے اور علم کی روشنی سب سے بڑی روشنی ہے۔ آپ کو سورج کی روشنی سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے، پورے عالم میں پھیلی دکھائی دیتی ہے، مگر اس کے ذریعہ صرف رنگ اور صورت کا علم ہوتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی اسلام اور کفر کا فرق بتلاتی ہے، سنت و بدعت میں امتیاز سکھاتی ہے، حق و باطل کی پیچان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طفیل ہے، ان کی جو تیوں کا صدقہ ہے اور ان حضرات کا لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے کہ انہوں نے علم کی روشنی پیش کی، جو ہمارے لئے اچھائی، برائی، بھلے اور ببرے کے درمیان تیز کا ذریعہ بنی، اور اس سے بھی بڑی نعمت اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا۔ اور اسلام کسی قوم اور ذات برادری کا نام نہیں ہے کہ اُس میں پیدا ہونے والا ہر آدمی آپ سے آپ مسلمان ہو اور مسلمان بننے کے لیے اس کو کچھ کرنا نہ پڑے۔ بلکہ اسلام نام ہے اُس دین کا اور اُس طریقے پر زندگی گزارنے کا جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے لائے جو قرآن شریف میں اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں میں بتایا گیا

ہے پس جو کوئی اس دین کو اختیار کرے اور اس طریقے پر چلے وہی اصلی مسلمان ہے اور جو لوگ نہ اس دین کو جانتے ہیں اور نہ اس پر چلتے ہیں وہ اصلی مسلمان نہیں ہیں..... معلوم ہوا کہ اصلی مسلمان بننے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔

○ شاگرد: استاد محترم! وہ دو باتیں کون سی ہیں؟

☆..... استاد: ایک یہ ہم دین اسلام کو جانیں اور کم سے کم اس کی ضروری اور بنیادی باتوں کا ہمیں علم ہو یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کرنے کا اور کن باتوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، ان کا جانا مستقل فرض ہے۔

دوسرا یہ کہ ہم ان باتوں کا ما نیں ان کے مطابق چلنے کا فیصلہ کریں یعنی ان پر عمل کرنا مستقل فرض ہے۔

اور جس نے جانا ہی نہیں اور نہ جانتے کی کوشش کی وہ دھرا مجرم ہے اور جس نے شریعت کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کی، اس نے ایک فرض ادا کر لیا، ایک اس کے ذمے رہا الغرض! بے علمی مستقل جرم ہے اور بے عملی ایک الگ جرم ہے اس لیے اس شخص کی حالت بدتر ہے جو شرعی حکم جانتے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو جانتا ہو گا، وہ اگر حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو کم از کم اپنے آپ کو مجرم اور گناہ گا رتو سمجھے گا گناہ کو گناہ اور حرام کو حرام جانے گا۔ اور جو شخص جانتا ہی نہیں کہ میں حکم الہی توڑ رہا ہوں اور اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھے گا، نہ وہ اپنے آپ کو گناہ گار اور قصور وار تصور کرے گا۔ ظاہر جو مجرم

اپنے جرم کو جرم ہی نہ سمجھے اس شخص کی حالت اس شخص سے بدتر ہے جو اپنے آپ کو قصودوار سمجھے اور اپنے جرم کا معرف ہو۔ اور جو شخص گناہ کو گناہ سمجھے کم از کم اس کو توبہ واستغفار کی توفیق تو ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس کو اپنی حالت پر ندامت ہو اور گناہ سے تائب ہو جائے۔ لیکن جس بے علم کو یہی معلوم نہیں کہ وہ گناہ کر رہا ہے، وہ بھی توبہ استغفار نہیں کرے گا اور نہ اس کے متعلق یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس گناہ سے باز آجائے گا ظاہر ہے کہ یہ حالت پہلی حالت سے زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے..... آمين۔

۵..... شاگرد: استاد محترم! سکولوں، کالجوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے کیا وہ ایک مسلمان کے لیے کافی نہیں؟

☆..... استاد: آج کل تعلیم گاہوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ علم نہیں۔ بلکہ ہنر، پیشہ اور فن ہے، وہ بذاتِ خود نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ اس کا انحصار اس کے صحیح یا غلط مقصد اور استعمال پر ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس علم کو فرض قرار دیا ہے جس کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور جس کے حصول کی ترغیب دی ہے اس سے دین کا علم مراد ہے اور اسی کے حکم میں ہو گا وہ علم بھی جو دین کے لیے وسیلے اور ذریعے کی حیثیت رکھتا ہو۔

علم و فن میں فرق:

۵..... شاگرد: استاد محترم! اس کی پہچان کیا ہے کہ یہ علم ہے یا فن؟

☆..... استاد: اس زمانے میں لوگوں نے جس کا نام علم رکھا ہے وہ ایک فن ہے، فن اور چیز ہے، علم اور چیز ہے۔ ڈاکٹری یا انجینئرنگ

پڑھانے کے لئے، اگر کوئی ادارہ قائم ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آیتیں اور حدیثیں وہی پڑھی جاتی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی ترغیب دی ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ ہماری مادر علمی ہے، یہ ہماری علمی درس گاہ ہے۔ حالاں کہ معاف سمجھیے گا! اگر آپ ڈاکٹریاچینسٹ یا مستری بن گئے تو آپ نے فن سیکھا ہے، علم نہیں سیکھا۔ آپ ہوائی جہاز، ٹیلی فون یا اور قسم کی مشینیں بنانے لگیں تو یہ فن ہے، اس کو علم نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص اعلیٰ درجہ کا فرنچائز بناتا ہے تو آپ سمجھتے کہ وہ دراصل اعلیٰ درجے کا مستری اور دستکار ہے، لیکن اس کو علم نہیں کہا جاتا، فن کہا جائے گا اور علم اسے کہتے ہیں کہ جس کی معلومات و ہدایات کے ذریعے آپ کا دل و توجہ خدا کی طرف مبذول ہو، جو خدا کی معرفت تک آپ کو لے جائے، اس کو کہتے ہیں علم اور یہ بھی یاد رکھیے کہ علم معیار فضیلت ہے! فن معیار فضیلت نہیں! اگر آج امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ہوتے تو کیا کوئی ہوائی جہاز اڑانے والا پائلٹ ان سے یہ کہہ سکتا کہ آپ کو صرف تفسیر کیا ہی لکھنی آتی ہے؟ تو یہ کہا جائے گا کہ یہ ہوائی جہاز اڑانا معیار فضیلت نہیں، علم معیار فضیلت ہے۔ امام فخر الدین رحمہ اللہ رازی کے پاس علم ہے، تمہارے پاس فن ہے۔ اور جو چیز خدا کی طرف آپ کو متوجہ کرے، اس کو کہتے ہیں علم۔ فن سے چیزیں بنتی ہیں اور علم سے انسان بنتا ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے فلسفی دُنیا کی چیزیں بنانے کے طریقے بتاتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ولی اللہ، عارف بنانے، قطب اور غوث بنانے، بڑے بڑے بزرگ بنانے کے لئے طریقے آپ کو

بتاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کا وہنداء، کمانے کے طریقے بتانے والی چیزیں فن کہلاتی ہیں اور آخرت سنوارنے والی چیزیں علم کہلاتی ہیں۔

ان اداروں نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائص و اعمال کو پہنچائے ہیں، ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم کا مقصد اعلیٰ ہماری نظروں سے محبوب ہو گیا ہے۔ علم خدا کی ایک پاک امانت ہے اور اس کو صرف اس لئے ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے۔ لیکن ان اداروں نے سرکاری ہوں یا پرائیویٹ ہم کو ایک دوسری راہ پتلائی ہے۔ وہ علم کا اس لئے شوق دلاتے ہے کہ بغیر اس کے نوکری نہیں ملتی۔ اس لیے ہم علم کو علم کے لئے نہیں، بلکہ معیشت کے لئے حاصل کرتے اور پڑھتے ہیں۔

یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں، یہ لکش اور دفتریب ناموں سے مزین سکولز اور کالجز کس مخلوق سے بھرے ہوئے ہیں؟ مشتا قانِ علم سے نہیں بلکہ ایک مٹھی آئے اور وال روٹی کے پرستاروں سے، جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصولِ تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے!

ایک آدمی نے کسی طالب علم سے پوچھا کہ آپ عصری تعلیم پر اس قدر اعصاب شکن محنت کر رہے ہو اور روپیہ پانی کی طرح بہا رہے ہو کیا وجہ ہے کہ آپ قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل نہیں کرتے اس نے برجستہ جواب دیا کہ اگر دینی تعلیم کی بنیاد پر نوکریاں ملتیں تو پھر ہم اسی تعلیم کو حاصل کرتے۔ آپ کسی بھی ادارے میں چلیں جائیں اور وہاں پر موجود طلباء سے ان کے تعلیمی شعبے کے انتخاب کے

بارے میں دریافت کریں تو وہ بغیر کسی شرمندگی کے تعلیم کا مقصد حصول دولت اور شہرت کو وجہ بتائیں گے، اس سے ثابت ہو اکہ عصری تعلیم کی حیثیت حصول دولت کے لیے ایک فن وہنر کے سوا کچھ نہیں۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! "علم حاصل کرو" اگرچہ چین میں ملے کا فقرہ علم دین کے لیے کہا گیا ہے؟ کیا مرد اور عورتوں پر دُنیوی علوم حاصل کرنا فرض ہے؟

☆.....استاد: اول تو اس حدیث کو علمائے کرام نے موضوع اور باطل بتایا ہے۔ علاوه ازیں انبیائے کرام علیہم السلام کا موضوع دُنیا کا علم ہی نہیں، وہ تو آخرت کی دعوت دیتے ہیں، اور انسانیت کو ان عقائد و اعمال کی دعوت اور اخلاق و معاملات کی تعلیم دیتے ہیں جن سے ان کی آخرت بگڑے نہیں بلکہ سنور جائے۔ اس لئے جو علوم آج کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ آخرست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "علم حاصل کرو" میں داخل نہیں۔

دنیوی تعلیم بھی بلاشبہ ضروری ہے، لیکن دین کی حفاظت و بقا اس سے اہم تر ہے۔ آج کل یونیورسٹیوں اور کالجوں میں لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم ہوتی ہے اور اس تعلیم سے مردوں کے امتیاز اور منفی خصوصیات ولاؤزم کو کالعدم کر دیا ہے ان تمام چیزوں کی قربانی دے کر دُنیوی تعلیم حاصل کرنا ایک مسلمان کی عقل میں مشکل ہی سے آسکتا ہے۔ اگر جدید تعلیم ان قباحتوں سے معری ہوتی اور اس سے دین کا کوئی نقصان نہ ہوتا تو غور کیا جا سکتا تھا کہ دُنیوی تعلیم حاصل کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم!

.....شگردو: استاد محترم! ایسے نظام تعلیم میں بہترین ریاضی دان، ڈاکٹر انجینئر، پروفیسر، اور سیاستدان کیسے پیدا ہو سکیں گے۔
☆.....ہمیں ایک ایسے نظام تعلیم کی ناگزیر ضرورت ہے جس کے اندر وحی آسمانی کی تعلیمات خوبصورتی کے ساتھ سو دی گئی ہوں۔ ہمارے عصری علوم تب ہماری قومی تعمیر اور فلاح میں بہتر کردار ادا کر سکیں گی جب ان کے اندر قرآن و سنت کی روح کا رفرما ہو۔ ایک نظریاتی ریاست کے لئے سیکولر نظام تعلیم جس کا وحی آسمانی سے کوئی تعلق نہ ہو اس کی افادیت تو دور کی بات، وہ تو اس ریاست کی ہلاکت ہی کا سبب ہوگا۔ ”تعمیری انقلاب کے لئے جس علم اور جس تعلیم کی ضرورت ہے اس کی عمارت چار ستونوں پر گہری بنیاد پر استوار مطلوب ہے۔ پہلا ستون حقیقی مأخذ کے ساتھ علم یا نصاب ہے۔ دوسرا ستون اس علم کو آگے منتقل کرنے والا ایسا معلم ہے جس کے قول فعل اور اخلاق و کردار سے اس حقیقی علم کی خوبیوں آتے۔ تیسرا ستون والدین کہلوانے والا طبقہ ہے جس کے شب و روز پچے کے تدریسی نصاب اور معلم کی محنت کی پشت پناہی کریں۔ یعنی گھر کا ماحول علم اور تعلیم سے مطابقت رکھتا ہو۔ چوتھا ستون میڈیا اور سماج و معاشرہ ہے جس کی معاونت مثبت نتائج کی ضمانت دے سکے گی۔

مذکورہ چار عناصر ہوں تو ان پر انقلاب کی چھت ہر مُرے وقت سے ملک و قوم کی حفاظت کرتی ہے۔ ہماری سوچ کے جو نبی قرآن و سنت کے تالیع علم و تعلیم کی بات کرتے ہیں، فوراً مولوی اور مدرسہ دل و دماغ میں گھوم جاتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت کے تالیع

زراعت، صنعت، سائنس و طب، تسبیح کا ثبات و ارضیات غرض ہر قسم کا علم فلاج انسانیت کے لئے موجود ہے۔ مسلمان علماء و محققین نے اسے عملًا ثابت کیا ہے اور یورپ نے اس علم کی خوشہ چینی سے فیض حاصل کیا جس کے آج ہم مذاہ ہیں۔ علم کا کوئی شعبہ تھا جسے مسلمان علماء و سائنسدانوں نے تشنہ چھوڑا۔ بدستمی تو یہ رہی کہ ہم نے وارث ہونے کا حق ادا نہ کیا،.....

قائد اعظم کے فرمان کے مطابق پاکستان کا آئین و دستور قرآن و سنت ہی کی بنیاد پر ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ نظام تعلیم بھی قرآن و سنت کی بنیاد پر مرتب کیا جانا چاہیے تھا تاکہ نظریاتی تعلیم ایک نظریاتی قوم کو اٹھا کر ایک نظریاتی مملکت کے استحکام کا سامان فراہم کرئی۔ بدستمی سے تعلیمی نصاب سے اسلامی اخلاق و کردار کے متعلق چیزیں نکال کر اس میں وہ چیزیں شامل کی جاتی ہیں جن کا ہمارے نہ ہب، لکھر اور شب و روز سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

نظریاتی نظام تعلیم کے لئے جو خاکہ پیش کیا گیا ہے انہی اصولوں پر ایک قابل عمل نصاب پرائزی تا پوسٹ گرجویٹ اور پی ایچ ڈی لیوں تک مرتب کیا جائے تا کہ ہم اس ملک میں بہترین مسلمان سائنسدان، ریاضی دان، ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، بیورو کریٹ اور سیاستدان پیدا کر سکیں اور اس طرح اس ملک کی بنیادیں ان اصولوں پر مستحکم کر سکیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضور ﷺ کے فرائیں نے دیے ہیں۔

ہمارا یہ ذاتی اور قوی المیہ ہے کہ نصاب ایسا کھوکھلا جسم

ہے جس میں روح بلالی موجود نہیں، استاد معلومات رکھتا ہے مگر علم سے کوئوں دور ہے وہ تعلیم کو عبادت نہیں ملازمت سمجھ بیٹھا ہے، والدین معاشی مسائل میں گرفتار ہوچکے ہیں اور طالب علم کتاب سے فرار اور بے ہودہ سرگرمیوں سے پیار کر رہا ہے اب طباء کے ہاتھوں میں کتاب کے بجائے موبائل نظر آتے ہیں، معلمین کی نگاہیں تختواہوں اور مراعات پر ہیں خدا کی رضا پر نہیں۔

۵.....شاگرد :استادِ محترم! کوئی ایسی تجویز ہے جس سے ہم دینی مدارس کھولنے کے بجائے سکولوں اور کالجوں میں ہی دینی تعلیم حاصل کر سکیں۔

☆.....استاد:جی ہاں! ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا نصاب تعلیم وضع کیا جائے کہ دسویں جماعت تک تمام بچے اس قابل ہو جائیں کہ ایک طرف ڈاکٹر اور انجینئر اور دوسرے عصری علوم میں تخصص حاصل کرنے کی ان میں قابلیت پیدا ہو اور ساتھ ساتھ اگر کوئی بچہ قرآن و سنت پر مبنی دینی علوم اور مذہبی علوم سیکھنے میں دلچسپی رکھتا ہو تو وہ عالم دین بننے کے لیے بنیادی صلاحیت حاصل کر چکا ہو۔ دسویں کے بعد جس طرح طلبہ پری انجینئرنگ، پری میڈیکل اور فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ٹانوی درجے کے کالجوں اور سکولوں میں داخلہ لیتے ہیں اسی طرح علوم دینیہ میں تخصص حاصل کرنے کے لیے تیار ہوچکے ہوں۔ اس طرح الگ سے دینی مدارس کھولنے کے بجائے سکولوں اور کالجوں میں ہی دینی تعلیم حاصل کرنے کا اہتمام ہو سکے گا۔

آئیے سب مل کر ایک ایسے یکساں نصاب تعلیم پر اتفاق

کر لیں جو جدید علوم کے ساتھ ساتھ ہمارے دینی، ہistorی اور تمدنی ورثے کا آئینہ دار ہو۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! انگلش میڈیم سکولوں میں جو بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کو لا دینی اثرات سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟
 ☆.....استاد: اُس کے لیے والدین لازمی طور پر اپنے بچوں کو اسکول کے بعد باقاعدگی سے قریبی مکتب یا مساجد میں بھیجنیں اور ان مساجد میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ضروریاتِ دین کی تعلیم دی جائے، اس طرح بچے اسکول کی تعلیم سے لا دینی اثرات قبول نہیں کریں گے، اسی طرح والدین کو چاہیے کہ وہ خود جب نماز کے لیے آئیں تو بچوں کو بھی ساتھ لے کر آئیں اور اسی طرح گھر میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں بچوں کو وقتاً فوتاً آگاہ کیا جائے۔ بچوں کے ذہنوں میں اسلام سے محبت اور وابستگی پیدا کریں، بچوں کے لیے دینی کتب جو آسان اردو میں ہوں مطالعے کے لیے دین اور اپنی گمراہی میں مطالعہ کروائیں، اس طرح نئی نسل میں اسلامی شعور بیدار ہو گا اور قوم اور نئی نسل گمراہ نہیں ہو گی۔

خلافت آدم بوجہ فضیلت علم:

۵.....شاگرد: استادِ محترم! انسان کی تمام مخلوق سے بہتر و اشرف ہونے کی وجہ کیا ہے؟

☆.....استاد: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اسے خوبصورت سانچے میں ڈھالا۔ ظاہری خوبیوں کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا۔ اسے عقل و شعور اور ادراک کی قوت عطا کی۔ اپنی مخلوق میں سب سے بہتر اور اشرف قرار دیا۔ حتیٰ کہ اپنے

معصوم فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا خلیفہ بنایا اور علم کی دولت سے مالا مال کر کے اس کی برتری ثابت کی۔ پوری کائنات کو اس کی خدمت پر مامور کر دیا اور اس انسان کی جسمانی و روحانی تربیت کا مکمل انتظام کیا۔

سیدنا آدم علیہ السلام کو خلافت کا عظیم منصب ملا۔ اس کی اولاد کو تمام مخلوقات پر جو فضیلت دی گئی، وہ صرف علم ہی کی نعمت ہے۔ وہ علم ہی کی منقبت اور خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے بنی آدم کو عالم پر درجہ دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم کا مظہر بنا کر مخلوق پر برتری دی۔

تعلیم کے لئے عمل شرط ہے:.....

◦.....شاگرد: استاد محترم! ادینی تعلیم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟
 ☆.....استاد: قرآن ان ایک مکمل ضابطہ حیات و ممات ہے، دنیا کے لئے بھی اور آخرت کے لئے بھی۔ یہ بتاتا ہے کہ ایک صاحب ایمان کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے؟ اس کے اوپر کون کون سے فرائض و واجبات ہیں؟ اور اس کی کون کون سی فیمه داریاں ہیں؟ سب کا بیان اس کلام اللہ میں ہے۔ سب سے پہلے عقائد صحیح ہونے چاہیں۔ جب تک عقائد صحیح نہ ہوں گے، توحید صحیح نہ ہو گی، آخرت کا یقین نصیب نہ ہو گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہونی چاہیے۔ جب تک آپ سے محبت نہ ہو گی، ایمان غیر معتبر اور بالکل ناقص ہو گا۔ یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں، یہ چیزیں کیسے معلوم ہوں گی؟ کلام اللہ کے پڑھنے سے، احادیث کے پڑھنے سے۔ یہ آداب، یہ طریقے، یہ علم، کلام اللہ اور کلام رسول ہی

سے حاصل ہوں گے۔ غایت حیات ہماری یہی ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول کو اپنا ضابطہ حیات و ممات بنائیں..... کچھ پتہ چلا ہماری تعلیم و تعلم کا مقصد کیا ہے؟ اصل مقصد ہے ضابطہ حیات کا معلوم ہونا۔ وہ کہاں سے معلوم ہو گا؟ کلام پاک سے۔ کس طرح اس پر عمل کریں؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہو گا۔ یہی مقاصد ہیں ہماری تعلیم کے، یہی غایت ہے کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے کی۔

معلومات معمولات بن جائیں:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! علم پر عمل کیسے کیا جائے اس کی کوئی آسان تدبیر کیا ہے؟

☆.....استاد: جو باتیں دین کی معلوم ہوں ان کو فوراً اپنے معمول میں لے آتا چاہیے اس طرح وہ علم بھی باقی رہتا ہے، عمل نہ ہوتا وہ علم بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم و عمل دو بھائی ہیں۔ جب ایک بھائی علم آجاتا ہے تو وہ اپنے دوسرے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے۔ لہذا یہ حقیقت ہمیشہ مدنظر رہنی چاہیے کہ دین صرف معلومات کی حد تک ہی نہ رہ جائے بلکہ معلومات معمولات بن جائیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری
حکیم الامم حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:..... یاد رکھو!
ہر چیز کا پہلی بار جو آثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا۔ جب علم

حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے، اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو اثر آئندہ باقی رہتا ہے، ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

ایک سوال یہ بھی ہے ذہن میں اٹھتا ہے کہ علم کے مطابق عمل کیوں نہیں ہوتا؟ اس بے عملی کا علاج یہی ہے کہ کسی ایسے عمل والے کے پاس بیٹھا جائے جس کا علم اس کے علم کے عین مطابق ہو جو کہہ وہ خود بھی اس پر عمل کرتا ہو تجربہ آدمی کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو زبانی ساری زندگی سنتا رہے پھر بھی بات سمجھ میں نہ آئے اس لیے کم از کم تجربہ کی خاطر کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ کیسے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے اس لیے اگر بے عملی کا علاج کروانا ہے تو وہ صرف صحبت ہی سے ہو سکتا ہے کہ کسی کامل کی صحبت اختیار کی جائے۔

کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیجیے، ان سے بیعت ہو جائیے، آج کل یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل بیعت کرنا اور کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھنا فرض عین ہے۔ کیوں کہ سب سے بڑا فرض ایمان ہے، اس کی حفاظت اللہ والے کی صحبت اختیار کئے بغیر ممکن نہیں۔ یہ اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس سے انسان اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اللہ والے

کی صحبت میں بیٹھ کر انسان بہت جلد وہ منازل طے کر لیتا ہے، جو سو (۱۰۰) سال عبادت سے بھی طے نہیں کر سکتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے ”کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک ساعت بیٹھنا، سو (۱۰۰) سالہ مقبول عبادت اور بغیر دکھاوے کی عبادت سے بہتر ہے۔“ تو آپ بھی کسی اللہ والے کا (جسے آپ مناسب سمجھیں، جس کی طرف آپ کا رجحان ہو) انتخاب کر کے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔

نیت کی تصحیح!

○.....شاگرد: استادِ محترم! اخلاص نیت کا کیا مطلب ہے؟

☆.....استاد: اس کا مطلب ہے: انْصَلُوقْتِ وَنُسْكِيٍّ وَمَحْيَائِيٍّ وَمَمَاتِيٍّ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

جو کام ہو، اسی کی رضا کے لئے ہو۔ ہمارا ایک ایک لمحہ اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذرے۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا، ان کی معیودیت و رزاقیت کا، حق آدا کرنے کا واحد مستند طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں۔

حدیث شریف ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ پڑھتے ہوئے، سچے دل سے عہد کرو کہ ہم جب بھی کوئی دین کی بات سیکھیں گے اپنی زندگی کو اس میں ڈھال لیں گے، اس کو اپنا جزو بنائیں گے اور اس کو اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ بنا لیں گے۔ اس نیت سے پہلی حدیث شریف پڑھو، خالص نیت شرط ہے۔ جب پڑھنے پڑھانے کے لئے بیٹھا کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لیا کرو، جیسے بھی کوئی چیز سیکھو یا پڑھو تو کہہ لو ”رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ“ اور ”رَبِّ

اَشْرَحْ لِي صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَأَخْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ يَفْقَهُوا
قَوْلِيْ” اسی طرح رجوع الی اللہ کر لیا کرو اور یوں کہا کرو:
یا اللہ! ہماری صلاحیتوں میں ناقص ڈور فرما دیجیے، ہمارے
حالات درست فرما دیجیے، ہمیں عقل عطا فرمائیے۔ یا اللہ! دین کے
متقضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیے اور ارتقائے عمل بھی پیدا
فرمائیے اور ہمارے اعمال کو نفس و شیطان کے مکاید سے ہمیشہ
بچائے رکھیے۔

ہر روز پہلے یہ دعاء اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کر لیا کرو نجات
کے لئے قرآن خوانی کافی ہے نہ قرآن دانی، بلکہ عمل شرط ہے۔

آدب کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا!
.....شاگرد: استادِ محترم! علم حاصل کرنے کے لیے اور کیا چیز
ضروری ہے؟

☆.....استاد: علم حاصل کرنے کے لئے آدب و احترام بھی
نهایت ضروری چیز ہے۔ جب تک آدب نہ ہو، علم حاصل نہیں ہو گا۔
آدب یہ ہے کہ علم کے ذرائع کا احترام کیا جائے کہ کس کس چیز کو
علم سے نسبت ہے؟ ہر ایسی چیز کا احترام کرو، عزت کرو جو حصول علم
کا وسیلہ ہے، آساتذہ کی، کتابوں کی، قلم کی، روشنائی کی، غرض جتنی
چیزیں علم کے ساتھ وابستہ ہیں، سب کی عزت کرو، سب کا احترام
کرو۔ جو چیز علم کی تبلیغ کے لئے ہو، علم کی اشاعت کے لئے ہو،
جب تک اس کا آدب نہ کرو گے، اس وقت تک علم کے آنوار و
تجلیات حاصل نہ ہوں گے۔ کلام اللہ کو، کلام رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو، فقہ کی کتابوں کو، آدب کے ساتھ رکھو، اہتمام کے

ساتھ رکھو، عزت کے ساتھ رکھو۔ جب ان کی عزت کرو گے، ادب کرو گے، پھر انشاء اللہ علوم حاصل ہوں گے۔ ادب بڑی شے ہے۔ دل و دماغ کی طہارت کے بعد اور روح و قلب کی طہارت کے بعد، دوسرا مطالبہ ہم سے ادب و احترام کا۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھوا کہ جب تک کوئی یہ علم دین کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تھہ کر کے نہیں سیکھا جائے گا، کسی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کر کے، اس سلسلہ میں داخل نہیں ہو گا، اس وقت تک نہ یہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے، نہ اس کی برکات و فیوضات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ صرف مطالعہ کرنے اور ترجم پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو ایسا کرتا ہے، وہ ضلالت و گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ اس علم سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے، وہ نقصان اٹھاتا ہے اور بغیر کسی أستاذ سے حاصل کیا جانے والا علم با اوقات الخاد و زندقة کا سبب بنتا ہے۔

اُدب کی برکات:.....

موہرہ کوپم (چکوال)

ایک گنوار گرد قبیلے کے دیہیاتی نے صرف ایک کاغذ، جس پر اللہ کا نام لکھا تھا، گندگی سے اٹھایا، اس کو صاف و پاک کر کے با ادب و باحترام رکھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اچانک عالم بنا دیا۔ صبح اٹھے تو عالم تھے۔ لوگوں کو کہنے لگے: اَمْسَيْتُ گُرُدِيَاً وَ اَصَبَحْتُ عَرِيَاً۔ شام کو میں ایک کردی تھا اور صبح ایک عربی دان عالم بنا۔

اسی طرح ایک جاہل راستہ میں جا رہا تھا، کتاب ساتھ تھی، اچانک بارش شروع ہوئی تو کتاب کو دامن کے نیچے کر لیا، اللہ تعالیٰ کو یہ آدا پسند آئی تو وہ عالم بنے اور جب کتاب دیکھتے تو باوضو ہو

کر۔ تو علم و حفظ کے لئے تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ اساتذہ و شیخ کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی دعائیں موجب ترقی و زیادتی ہوں۔

اللَّهُمَّ افْتَحْ مَسَامَعَ قَلْبِي لِذِكْرِكَ وَأَرْزُقْنِي طَاعَتَكَ وَطَاعَةً
رَسُولِكَ وَعَمَلاً بِكَحَابِكَ۔

آے اللہ! اپنے ذکر کے لئے میرے دل کے کان کھول دے اور اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کی اور اپنی مقدس کتاب پر عمل کی مجھے توفیق دے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! علم دین حاصل کرنے کے اور کیا فوائد ہیں؟

☆.....استاد: علم دین حاصل کرنے کے بے شمار فوائد ہیں:.....

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

”علم دین کی طلب اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے (یعنی اس سے آدمی کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔“ (ترمذی)

علم دین حاصل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:..... ”جو علم کے راستے پر چلتے ہیں، اللہ ان کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔“ (مسلم) اس بشارت میں جس طرح علم دین حاصل کرنے والے داخل ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو علم کے حصول کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کی اعانت کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

”جو شخص دین سیکھنے کے لیے گھر سے نکلے وہ جب تک اپنے گھر واپس نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستے میں ہے۔“ (ترمذی)

الغرض اعلم دین کا سیکھنا اور اسلام کی ضروری ضروری باتوں کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھا پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ مرد ہو یا عورت۔ اوپر کی حدیثوں سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس کام میں جو وقت لگتا ہے اور اس کے لیے جو محنت کرنی پڑتی ہے اللہ تعالیٰ کے بیہاں اس کا بہت بڑا اجر و ثواب ملنے والا ہے اس لیے ہم سب کو طے کر لینا چاہیے کہ ہم علم دین سیکھنے کی اور اسلام کی ضروری ضروری باتوں کا علم حاصل کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔

جو مسلمان بھائی عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یا کام کا ج کی مشغولیت کی وجہ سے کسی اسلامی مدرسہ میں داخل ہو کر اور باقاعدہ اس کے طالب علم بن کر دین کا علم حاصل نہیں کر سکتے، ان کے لیے دین سیکھنے اور دین کی ضروری باتیں معلوم کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ وہ اگر پڑھے لکھے ہیں تو دین کی معتبر کتابیں دیکھا کریں اور جو کوئی بات شبہ میں ڈالے تو علمائے کرام سے پوچھ لیں، اور جو لوگ بہت کم پڑھے ہیں وہ اچھے پڑھے لکھوں سے ایسی کتابیں پڑھوا کر سنا کریں۔

یہ چھوٹا سا رسالہ اسی مقصد کے لیے لکھا گیا ہے اس میں دین کی ضروری ضروری باتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ہدایتیں جو ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیں آسان زبان میں لکھی گئیں ہیں..... آؤ ان باتوں

کو خود سیکھیں دوسروں کو سکھلائیں اور بتلائیں اور معاشرے میں ان باتوں کو رواج دینے اور پھیلانے کی کوشش کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....جو شخص دین کو سیکھنے اور جانے کی اس لیے کوشش کرے کہ اس کے ذریعہ وہ اسلام کو زندہ کرے (یعنی دوسروں میں اس کو پھیلائے اور لوگوں کو اس کے مطابق چلائے) اور اسی اشنا میں اس کو موت آجائے تو وہ آخرت میں پیغمبروں کے اس قدر قریب ہو گا کہ اور پیغمبروں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (دارمی)

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ خود دین سیکھیں، دوسروں کو سکھائیں، خود دین پر چلیں اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو اس پر چلانے کی کوشش کریں۔

عمر
شہید لاٹبری

موہڑہ کورچشم (چکوال)

پاکستان

اسلام کے بنیادی اصول

○ شاگرد: استاد محترم! اسلام کے معنی اور مطلب کیا ہے؟

☆..... استاد: اسلام کے معنی ہیں گردن جھکانا، اطاعت کرنا، فرمابندراری کرنا، تابعداری کرنا، حکم ماننا، اور سرتسلیم خم کرنا، یعنی خدا تعالیٰ اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعے جو حکم دے اس کو بلا چون و چرا ماننا، زبان سے اس کا اقرار کرنا اور دل سے اسے قبول کرنا۔

اور اصطلاح میں ”اسلام اس مذہب کا نام ہے جس کی تبلیغ و تلقین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور یہی وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند فرمایا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:.....

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا طَهْرًا كَفَرَ بِهِ كُلُّ كُفَّارٍ

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کیلئے) پسند کر لیا۔ (لہذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو)۔“ (سورۃ المائدہ)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:.....

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا إِسْلَامُهُ

یعنی ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

○ شاگرد: استاد محترم! اسلام کی بنیاد کتنی چیزوں پر ہے؟

☆.....استاد: اسلام کے بنیادی اصول جو خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے ہیں ذیل ہیں:.....

عَنْ أَبِنِ عُمَرٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بُنْيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةً أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَاقْلَمُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكُوْةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اسلام کے بنیادی اصول پانچ ہیں۔ (در اصل یہ چھ باتیں ہیں لیکن رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے اقرار کو ایک ہی بات قرار دیا ہے، اس لیے پانچ بنیادی اصول فرمائے۔)

- (۱).....اس بات کا (دل و زبان دونوں سے) اقرار کرنا کے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ساتھ ہی اس بات اقرار کرنا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔
- (۲).....نمایز (کو اچھی طرح اور باقاعدہ) ادا کرنا۔
- (۳).....زکوٰۃ دینا۔ (۴).....بیت اللہ کا حج کرنا
- (۵).....ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

اگر غور و فکر کیا جائے تو دنیا بھر کی خوبیاں اور بھلائیاں ان پانچ ”ارکانِ اسلام“ میں آگئیں اگر ہم ان پانچوں امور پر دل و جان سے ایمان لا سیں اور سچے دل کے ساتھ ان پر عمل کریں تو یقیناً ہم ایک بہترین انسان اور صحیح مسلمان بن سکتے ہیں۔

کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟

☆.....استاد! کلمہ طیبہ یہ ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کے بھیجھ ہوئے رسول ہیں۔

أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبد نہیں“

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

کلمہ طیبہ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ اسلام کا دروازہ اور ہمارے دین واپیان کی جڑ اور بنیا ہے، یہی کلمہ اسلام کا جو ہر ہے، یہی کلمہ ایمان کی روح ہے، یہی کلمہ راستی کا نشان ہے، یہی کلمہ ہدایت کی زندہ تصویر ہے، اسی کلمہ سے دائیٰ راحت نصیب ہوتی ہے، اسی کلمہ کی بدولت مسلمان خیراً لام کے لقب سے سرفراز کیے گئے ہیں اور اسی کے چھوٹنے سے آج ان کو ذلت و رسائی اور پستی میں گرا دیا گیا ہے، دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے والا کوئی ایک بھی زمین پر ہو گا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے، یہی وہ کلمہ ہے جس کے باعث زمین و آسمان قائم و دائم ہیں۔ اس کو پکے یقین کے ساتھ پڑھ کے عمر بھر کا کافر اور مشرک بھی مومن اور مسلمان ہو جاتا ہے اور نجات کا مستحق بن جاتا ہے۔ مگر اس کی

شرط یہ ہے کہ اس کلمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تو حید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا جو اقرار ہے اس کو اس نے سمجھ کر مانا اور قبول کیا ہو۔ اگر کوئی شخص تو حید و رسالت کو بالکل بھی نہ سمجھا ہو اور بغیر معنی مطلب سمجھے اس نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک مومن اور مسلمان نہ ہو گا۔ لہذا بہت ضروری ہے کہ ہم اس کلمہ کے معنی اور مطلب کو سمجھیں۔

کیونکہ یہ وہ کلمہ پاک ہے جس کو صدقِ دل سے ایمانداری کے ساتھ جب کوئی شخص پڑھتا ہے تو کیا سے کیا ہو جاتا ہے اس کلمہ پاک کے پڑھنے سے جو پہلے مشرک تھا اب مسلمان ہو جاتا ہے، پہلے جہالت میں تھا اب شریعت میں آ جاتا ہے، پہلے گمراہ تھا اب ہدایت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

سب سے زیادہ بہرہ مند (یعنی کامیاب) میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ شخص ہو گا جو اپنے خالص دل سے یا خالص بھی سے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کہہ دے۔ (صحیح بخاری نجاشی ۲۳ حدیث ۹ کتاب العلم)

۵.....شاگرد! استاد محترم! کیا اس کلمہ کے دو جز ہیں؟

☆.....استاد! بھی ہاں! پہلا جز ہے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی تو حید کا اقرار ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو عبادت اور بندگی کے لائق ہو بس اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی ایک اکیلی ایسی ذات ہے جو عبادت اور بندگی کے قابل ہے۔

یہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**: دین کی بنیاد اور اس کی جڑ ہے اور تمام نبیوں کا سب سے اہم اور پہلا سبق یہی تھا۔ اس لئے دین کی ساری باتوں میں اس کا مرتبہ سب سے اوپر چاہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

ایمان کے ستر (70) سے بھی زیادہ شعبے ہیں ان میں سب سے افضل اور اوپر چاہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا قائل ہونا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسی لئے ذکروں میں بھی سب سے افضل **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا ذکر ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

”**أَفْضَلُ الدُّكَارِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**۔ تمام ذکروں میں افضل و اعلیٰ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے“ (ابن ماجہ ونسائی)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:.....

”لوگوں اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو“..... بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ:..... ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کس طرح اپنے ایمانوں کو تازہ کریں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:..... **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**. کثرت سے پڑھا کرو۔ (منند احمد، جمع الغواند)

۵..... شاگرد: استاد محترم! **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کے زیادہ پڑھنے سے ایمان میں تازگی کی وجہ کیا ہے؟

☆..... استاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**. میں اللہ تعالیٰ کی تو حید یعنی صرف اسی کی عبادت و بندگی اور سب سے زیادہ اسی کی محبت اور اسی کی اطاعت و تابعداری کا عہد و اقرار ہے۔ کیونکہ یہی تو

ایمان کی روح ہے اس لئے ہم جتنا بھی سمجھ کے اور دھیان کے ساتھ اس کلمہ کو پڑھیں گے یقیناً اُتنا ہی ہمارا ایمان تازہ اور ہما را عہد پختہ ہو گا اور انشاء اللہ لا إلہَ إِلَّا اللہُ۔ پھر ہمارا عمل ہمارا حال ہو جائے گا۔

ہمیں چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم اس کلمہ کو دھیان کے ساتھ اور سچے دل سے کثرت کے ساتھ پڑھا کریں گے تاکہ ہما را ایمان تازہ ہوتا رہے اور پوری زندگی لا إلہَ إِلَّا اللہُ۔ کے ساتھ میں ڈھل جائے۔

اس لئے بھی اے میرے عزیز! ایمان کے ساتھ ساتھ شریعت پر عمل کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور جو لوگ عمل سے غافل ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں میں گمراہی اور بے دینی پھیل جاتی ہے اور شیطان کے پھنڈے میں غافل لوگ ہی پختہ ہیں۔
جو لوگ صرف کلمہ پڑھتے ہیں ان سے حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تو دنیا میں رہنے اور یہاں کے مزے اٹانے کے لئے پیدا نہیں ہوا حق تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی میں جس قدر تو بتلا ہے اس کے بدلتے تو نے اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کی اطاعت میں صرف لا إلہَ إِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللہِ کہہ لینے پر قناعت کر لی، حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز (یعنی عمل کو) نہ ملائے گا یہ تجھ کو نافع نہ ہو گا۔ ایمان مجموع ہے قول اور عمل کا، ایمان نہ مقبول ہو اور نہ مفید جب تک تو گناہوں اور لغزشوں اور حق تعالیٰ جل شانہ کی مخالفت کا مرتب ہو گا اور اس پر اٹا رہے گا۔ اگر نماز روزہ اور صدقہ اور نیک کام چھوڑ

دے گا تو واحدانیت و رسالت کی محض گواہی کیا نفع دے گی۔ (فیوض بیزادانی ص ۳۱ مجلس نمبر ۲)

۵.....شاگرد: استاد محتشم! کلمہ طیبہ کا دوسرا جز کیا ہے؟

☆.....استاد: کلمہ طیبہ کا دوسرا جز مُحَمَّد رَسُولُ اللَّهِ ہے اس میں حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے رسول خدا ہونے کا اقرار اور اعلان ہے۔ حضور صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللَّہ سب جانہ و تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا اور آپ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے جو کچھ بتلا یا اور سمجھا یا اور جو خبریں دیں وہ سب صحیح اور بالکل حق اور صحیح ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کا خدا تعالیٰ کا کلام ہونا، فرشتوں کا ہونا، قیامت کا آنا، قیامت کے بعد مردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا وغیرہ وغیرہ۔

کلمہ طیبہ کے تقاضے:.....

۵.....شاگرد: استاد محتشم! رسول پر ایمان لانے کا مقصد و مطلب کیا ہے؟

☆.....استاد: رسول پر ایمان لانے اور اس کو رسول ماننے کا مقصد و مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات کو بالکل حق اور صحیح مانا جائے، اس کی ہر ہدایت اور حکم کو مانا جائے، اس کی تعلیم و ہدایت کو خدا تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت سمجھا جائے اور اس کے حکموں پر چلنے کا فیصلہ کر لیا جائے کیونکہ اللَّہ تعالیٰ جل شانہ کسی کو اپنا رسول ای لئے بنا تا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو وہ احکام بھیج جن پر وہ بندوں کا چلانا چاہتا ہے۔

.....قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:.....

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا يُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط

”اور ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ ہمارے فرمان سے اس کی اطاعت کی جائے یعنی اس کے حکموں کو مانا جائے۔“
اس فرمان سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ تو پڑھتا ہو مگر اپنے متعلق اس نے یہ طے نہ کیا ہو کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی ہر بات کو بالکل حق اور اس کے خلاف تمام باتوں کو غلط جانوں گا اور ان کی شریعت اور ان کے حکموں پر چلوں گا تو وہ در اصل مومن اور مسلمان ہی نہیں ہے اور شاید اس نے مسلمان ہونے کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے۔

بالکل واضح سی بات ہے کہ جب ہم نے کلمہ پڑھ کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کا برحق رسول مان لیا تو ہمارے لئے ضروری ہو گیا کہ ان کے حکموں پر چلیں اور ان کی سب باتیں مانیں اور ان کی لاٹی ہوئی شریعت پر پورا پورا عمل کریں۔ کلمہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ یہ حصن کوئی زبانی جمع خرچ نہیں کہہ زبان سے کہہ لیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ آپ نے جس دن یہ کلمہ پڑھا، اس دن آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا اور اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اب میری کچھ نہیں چلے گی، اب تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزاروں گا۔ لہذا اس کلمہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے کچھ تقاضے ہیں کہ زندگی گزارو تو کس طرح؟ عبادت کس طرح کرو؟ لوگوں کے ساتھ معاملات کس طرح کرو، اخلاق تمہارے کیسے ہوں، معاشرت تمہاری کیسی ہو، زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہدایات ہیں جو اس کلے

کے اندر آتی ہیں اور وہ ہدایات رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک زبان سے بھی دے کر گئے ہیں، اپنے افعال مبارکہ سے بھی، اپنی زندگی کی ایک ایک نقل و حرکت سے اور ایک ایک ادا سے آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کا طریقہ سکھا کر اور سمجھا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے اب یہ کلمہ پڑھنے والے کا کام ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا علم حاصل کر کے اسی کے مطابق زندگی گزارے۔

یہ کلمہ دراصل ایک اقرار نامہ ہے اور عہد نامہ ہے اس بات کا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کو خداۓ برحق اور معبدوں مالک مانتا ہوں اور دنیا آخرت کی ہر چیز کو صرف اسی کے قبضہ اختیار میں سمجھتا ہوں لہذا میں اس کی اور صرف اسی کی عبادت اور بندگی کروں گا اور بندہ کو جس طرح اپنے مولیٰ و آقا کے حکموں پر چلنا چاہئے اسی طرح میں اس کے حکموں پر چلوں گا اور ہر چیز سے زیادہ میں اس سے محبت اور تعلق رکھوں گا اور حضرت محمد صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں خدا تعالیٰ کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں اب میں ایک امتی کی طرح ان کی اطاعت و پیروی کروں گا اور ان کی لا تی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا..... دراصل اسی عہدو اقرار کا نام ایمان ہے اور توحید و رسالت کی شہادت دینے کا بھی بھی مقصد اور مطلب ہے۔

عمل ایمان کا شاهد:.....

لہذا کلمہ پڑھنے والے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے کو اس عہد و شہادت کا پابند سمجھے اور اس کی زندگی اسی اصول کے مطابق گزرے تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے نزدیک ایک سچا مون من مسلم ہو اور

نجات جنت کا حقدار ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....جو شخص مرتبے وقت میری رسالت کی گواہی اور خدا تعالیٰ کی واحدائیت کا صدقہ دل سے اقرار کر لے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو بخش دے گا۔(ابن ماجہ ص ۵۶۶ حدیث نمبر ۹۷ باب الذکر)

اس لئے اے میرے عزیز! لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ۔ کی حقیقت کو خوب سمجھ کے دل و زبان سے اس کی شہادت دو اور آج سے فیصلہ کرو کہ اپنی زندگی اس شہادت کے مطابق گزاریں گے تاکہ ہماری شہادت جھوٹی نہ ٹھہرے، کیونکہ اس شہادت کی بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے، جب دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت آجائے گی تو ہاتھ اور پاؤں پر اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالح بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں ہے تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے، مسلم نام کے تو ہوں گے مگر کام اسلام کے نہیں ہوں گے، اگر دل میں محبت رپی ہوئی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو یہی عمل شہادت دے گا اور اسی شہادت پر ہمارے ایمان و اسلام کا اور نجات کا دار و مدار ہے۔

اس لئے دل کی جیب میں ایمان کا سونا ہو نا چاہیے، ایمان کا جذبہ ہو نا چاہیے، پھر دنیا کے بازاروں میں سب کچھ ملے گا اور اگر دل خالی کر کے جا رہے ہو جس میں ایمان باللہ نہیں، عمل صالح اور پیروی سنت نہیں تو پھر دنیا چاہے کروڑوں کی ہو مگر آپ کے لیے کچھ نہیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔

نماز کی اہمیت و فضیلت

۵.....شاگرد: استاد محترم! نماز کسے کہتے ہیں؟

☆.....استاد: اسلام چند خیالی باتوں یا چند زبانی اعتقادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عملی مذہب ہے اس لیے اُس نے اللہ تعالیٰ جل شانہ، اور حضرت رسول مقبول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کے بعد زیادہ زور عمل پر دیا ہے۔ اور ایک مؤمن مسلمان کے لیے سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہمارے مذہب اسلام میں نماز ہے۔ نماز خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت رسول مقبول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثوں میں مسلمانوں کو سکھلایا اور بتالا یا ہے۔

عبادات میں سب سے پہلی اور اہم چیز نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اس اہم اور تاکیدی فرض کی فکر مسلمانوں میں آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی ہے۔ اول تو اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، اور جو کچھ لوگ پڑھتے بھی ہیں، ان میں سے بھی اکثر بنا سکتے ہی پڑھتے ہیں۔ ہماری نمازوں میں بہت سی ایسی غلطیاں اور کوتاہیاں عام ہوتی جا رہی ہیں، جن کی وجہ سے نماز یا تو سرے سے خود ادا ہی نہیں ہوتی، یا مکمل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ نصیب فرمائے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! نماز دن رات میں کتنی دفعہ فرض ہے؟

☆.....استاد نماز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خاص عبادت ہے جو دن رات میں پانچ دفعہ فرض کی گئی ہے، قرآن شریف کی پچاسوں آیتوں میں اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سینکڑوں حدیثوں میں نماز کی بڑی سخت تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو دین کا ستون اور دین کی بنیاد کہا گیا ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

☆.....استاد نماز پڑھنے میں بہت سے فائدے ہیں: مثال کے طور نمازی آدمی کا بدن اور کپڑے پاک صاف اور سقیرے رہتے ہیں۔ اگر نماز ٹھیک طریقے سے ادا کی جائے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے پورے دھیان سے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائے تو اس سے آدمی کا دل پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی زندگی درست ہو جاتی ہے اور برائیاں اس سے چھوٹ جاتی ہیں اور نیکی اور سچائی کی محبت اور خدا تعالیٰ جل شانہ کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ نمازی آدمی سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نمازی سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ نمازی آدمی خدا تعالیٰ کے نزدیک نیک ہوتا ہے۔ نمازی آدمی کی نیک لوگ دنیا میں عزت کرتے ہیں۔ نمازی آدمی کو مرنے کے بعد خدا تعالیٰ آرام اور سکھ سے رکھتا ہے۔

اسی لئے اسلام میں دوسرے تمام فرضوں سے زیادہ اس کی تاکید ہے اور اسی واسطے رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر اسلام قبول کرتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توحید

کی تعلیم کے بعد پہلا عہد اُس سے نماز ہی کا لیا کرتے تھے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ کلمہ اسلام کے بعد نماز ہی اسلام کی بنیاد ہے۔
○.....شاگرد: استادِ محترم! اگر کوئی نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

☆.....استاد: نماز نہ پڑھنے والا شخص ایک طرح سے خدا تعالیٰ کا باغی ہے وہ جس قدر بھی ذلیل ورسوا کیا جائے اور جتنا بھی اس کو عذاب دیا جائے بلاشبہ وہ اس کا مستحق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز نہ پڑھنے کو کفر کی بات اور کافروں کا طریقہ قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے:جو شخص نماز نہ پڑھے اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں..... صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندہ اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔

مطلوب یہ ہے کہ بندہ اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر سے مل جائے گا اور اس کا یہ عمل کا فرول کا سامنہ ہو گا۔

نماز پڑھنا کتنی بڑی دولت اور کیسی نیکیتی ہے اور نماز چھوڑنا کتنی بڑی ہلاکت اور کیسی بدیختی ہے۔ اس لئے ہم سب کو چاہیے کہ نماز کے بغیر اسلام کا دعویٰ بے ثبوت اور بے بنیاد ہے نماز پڑھنا ہی وہ خاص اسلامی عمل ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ہمارا تعلق جوڑتا ہے اور ہم اس کی رحمت کا مستحق بناتا ہے۔

غرض نماز کا اسلام میں بہت ہی اونچا درجہ اور اس کی بہت ہی فضیلت ہے اس لئے نماز کو سیکھ کر صحیح طریقے سے پڑھنا اور اس کا اہتمام کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ نماز کا وقت ہوتے ہی

سارے کا مول کو چھوڑ کر نماز کی تیاری شروع کر دیتی چاہئے۔ مرد اور بچے نماز اہتمام کے ساتھ جماعت سے مسجد میں ادا کریں۔

۵ شاگرد: استادِ محترم! نماز کی ادائیگی کے لیے کون سی شرائط ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے؟

☆..... استاد: طہارت نماز کے لئے اولین شرط ہے، طہارت کا جتنا زیادہ اہتمام کیا جائے گا، نماز اتنی ہی اچھی ہوگی۔ اس لیے نماز کی ادائیگی سے قبل مسنون طریقے سے وضو کر لینا ضروری ہے۔

وضو کرنے کا سنت طریقہ:.....

۵ شاگرد: استادِ محترم وضو کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

☆..... استاد: کسی اوپنجی جگہ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائیے، اور تمیسہ پڑھ کر وضو کی نیت کر لیجئے، اور سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ کلائیوں سمیت دھولیں، پھر تین دفعہ کل کریں، اور مساوک کریں۔ اگر روزے سے ہوں تو غارہ نہ کریں، اس سے پانی ڈالیں، اور باائیں ہاتھ سے ناک صاف کر کے جھاڑ ناک میں پانی ڈالیں، اور باائیں ہاتھ سے ناک صاف کر کے جھاڑ لیں، اگر آپ کا روزہ ہے تو ناک میں پانی ڈالتے وقت بھی احتیاط کریں، ناک کے صرف نرم حصے تک ہی پانی پہنچائیں۔

پھر تین دفعہ پورا منہ دھوئیں، پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرا کان کی لو تک سب جگہ پانی بہ جائے، مکمل اہتمام کے ساتھ دھوئیں، کوئی بال برابر بھی جگہ سوکھی نہ رہنے پائے۔ پھر داڑھی کا خلال کریں۔ پھر تین دفعہ داہناء ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئیں پھر تین دفعہ بایاں

ہاتھ کہنوں سمیت دھوئیں، اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کریں اور اگر کوئی انگوٹھی وغیرہ پہنچی ہوئی ہو تو اس کو بھی ہلا لیں تاکہ اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔ پھر ایک دفعہ سارے سر کا مسح کریں، پہلے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کے اوپر کی طرف پیشانی سے شروع کریں، اور ہاتھوں کو سر کے پیچھے کی طرف آخر تک لے جائیں، اور پھر دونوں ہاتھوں کو سر کی دونوں اطراف سے یعنی دائیں اور باائیں سے پیچھے سے آگے کی طرف لائیں، پھر کان کا مسح کریں، کان کی اندر کی طرف کا شہادت والی انگلی سے اور باہر کا انگوٹھوں سے مسح کریں، پھر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کریں، لیکن گلے کا مسح نہ کریں اس سے منع کیا گیا ہے۔ کان اور گردن کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں، سارے مسح کے لئے ایک ہی دفعہ ہاتھوں کو گیلا کرنا کافی ہے، سارا مسح اسی سے کریں۔ پھر تین بار داہناء پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں، اور پھر تین دفعہ بایاں پاؤں، اور باائیں ہاتھ کی چھنگلی سے چیزوں کی انگلیوں کا خلال کریں، دائیں پاؤں کی چھنگلی سے خلال شروع کریں، اور باائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کریں۔

یہ وضو کرنے کا سنت طریقہ ہے، لیکن اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو وضو نہیں ہوتا، ایسی چیزوں کو فرض کہتے ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے چھوٹ جانے سے وضو تو ہو جاتا ہے لیکن ان کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور شریعت میں ان کے کرنے پر تاکید بھی

آئی ہے۔ اگر کوئی اکثر چھوڑ دیا کرے تو گناہ گار ہوتا ہے، ایسی چیزوں کو سنت کہتے ہیں۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے کرنے سے ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، اور شریعت میں ان کے کرنے کی تاکید بھی نہیں آئی ایسی باتوں کو مستحب کہتے ہیں۔

وضو کے فرض:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! وضو میں کتنی چیزیں فرض ہیں؟

☆.....استاد: یعنی وہ چیزیں جن کا وضو میں اہتمام کرنا ضروری ہے، اگر چھوڑ دیں تو وضو نہیں ہو گا۔ ایسی چیزیں چار ہیں:.....

(۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا (۲) ایک ایک مرتبہ دونوں ہاتھ کہمیوں سمیت دھونا (۳) ایک مرتبہ چوہائی سر کا مسح کرنا۔ (۴) ایک مرتبہ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! وضو کی سنتیں کیا ہیں؟

☆.....استاد: پہلے گنوں تک دونوں ہاتھ دھونا، تمییہ یعنی بسم اللہ پڑھنا، کلی کرنا، مساوک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، سارے سر کا مسح کرنا، ہر عضو کو تین بار دھونا، کانوں کا مسح کرنا، ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔ وضو کو ترتیب کے ساتھ کرنا۔ یہ سب وضو کی سنتیں ہیں، اس کے علاوہ جو ہیں، یعنی قبلہ کی طرف منہ کرنا اونچی جگہ پر بیٹھنا وغیرہ یہ سب مستحب ہیں۔

کوشش کر کے اس طریقہ کے مطابق وضو کرنے کی عادت ڈالیں، اور پھر ایک مرتبہ اپنے علاقے کے کسی عالم یا اپنی مسجد

کے امام صاحب کو وضو کر کے دھائیں، اگر ٹھیک ہے تو بہت اچھا، وگرنہ وہ جن غلطیوں کی نشاندہی کریں ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو عملی طور پر وضو کر کے دھلاتے تھے، آپ بھی عملی طور پر سیکھنے کی کوشش کریں۔ اور مساجد کے آئندہ کرام سے گزارش ہے کہ اپنی مسجد میں مقتذیوں کو عملی طور پر وضو کرنا سکھائیں۔

اور اپنے وضو میں مساواں کا لازمی اہتمام کریں، کیونکہ حضور ﷺ مساواں بہت اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، اور اس کی خوب تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور کوشش کریں کہ مسجد میں کوئی بدبو دار چیز کھا کر نہ آئیں، حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اپنے منہ کو مساواں کر کے اچھی طرح صاف کر لیں، تاکہ بدبو زائل ہو جائے۔

فصل کرنے کا سنت طریقہ:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! غسل کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

☆.....استاد:پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھو لیں، اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اسے دھو لیں، اگر نجاست نظر نہ بھی آئے تو احتیاطاً استنجا کی جگہ کو دھو لینا چاہئے، پھر پورا وضو کریں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ایسی جگہ ہے جہاں پانی کی نکاسی کا اہتمام نہیں تو پیر نہ دھوئیں، بلکہ غسل کے بعد اس جگہ سے نکل کر پیر دھوئیں، وگرنہ دھو لیں۔ پھر وضو کے بعد تین بار اپنے سر پر پانی ڈالیں، پھر تین بار دائیں کندھے پھر بائیں

کندھے پر پانی ڈالیں اس طرح کہ سارے جسم پر پانی بہ جائے۔ غسل کرتے وقت پورے جسم کو ہاتھوں کے ساتھ ملنا چاہئے، احتیاط کرنی چاہئے کہ پورے جسم میں ایک بال برابر بھی جگہ خشک نہ رہنے پائے، ورنہ غسل نہ ہو گا۔

غسل کا بیان کردہ یہ طریقہ سنت کے موافق ہے۔ اس میں بعض چیزیں فرض ہیں، ان میں سے اگر کوئی چیز چھوٹ جائے تو غسل نہیں ہوتا۔ اور بعض چیزیں سنت ہیں، اگر عمل کیا جائے تو ثواب ہوتا ہے، اگر چھوٹ جائیں تو بھی غسل ہو جاتا ہے لیکن چھوڑنا نہ چاہئے۔

فسل کے فرانض:.....

○ شاگرد: استاد محترم! غسل میں کتنے فرض ہیں؟
 ☆..... استاد: غسل کے صرف تین فرض ہیں۔ (۱) اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی چلا جائے (۲) ناک کی نرم ہڈی تک پانی پہنچانا (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا۔
 اوپر بیان کردہ طریقے میں باقی جتنی چیزیں ہیں وہ سب سنت ہیں۔

☆..... نمازوں کے اوقات:.....

○ شاگرد: استاد محترم! نمازِ فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟
 ☆..... استاد: نماز فجر کا وقت سورج نکلنے سے تقریباً سوا گھنٹہ پہلے سے شروع ہوتا ہے، جب اجالا ہو جائے اور اتنا وقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اتنا وقت باقی رہے کہ اگر یہ نماز کسی وجہ سے

درست نہ ہوئی ہو تو سورج نکلنے سے پہلے پہلے دوبارہ سنت کے موافق نماز پڑھی جا سکتی ہو ایسا وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! نماز ظہر کا کب شروع ہوتا ہے؟

☆.....استاد: نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور ٹھیک دوپھر کے وقت ہر چیز کا جتنا سایہ ہو اس کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ اس چیز سے دو گنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر کر کے پڑھنا کہ گرمی کی تیزی کم ہو جائے اور سردیوں کے موسم میں اول وقت پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ظہر کی نماز بہرحال ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! نمازِ عصر کا وقت بتائیں؟

☆.....استاد: جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ دو مشل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ لیکن جب آفتاب بہت نیچا ہو جائے اور دھوپ کمزور اور پیلی پیلی ہو جائے تو اس وقت نماز مکروہ ہوتی ہے اس سے پہلے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہیے۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! نمازِ مغرب کا وقت بتا دیں کہ کب شروع ہوتا ہے؟

☆.....استاد: جب آفتاب غروب ہو جائے تو مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور سپیدی یعنی شفقتِ ابیض کے غائب ہونے سے پہلے پہلے تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ اور نمازِ مغرب اول وقت میں مستحب ہے اور

بلا عذر دیر کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! نمازِ عشاء کا وقت کیا ہے؟

☆.....استاد: عشاء کا وقت نمازِ مغرب کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے تک رہتا ہے۔ اور ایک تہائی رات تک مستحب وقت ہے اس کے بعد آدمی رات تک نماح ہے۔ اس کے بعد مکروہ ہو جاتا ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! نماز وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور وتر کا مستحب وقت کون سا ہے؟

☆.....استاد: نمازِ وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا ہے لیکن وتر کی نماز نماز عشاء کی نماز سے پہلے جائز نہیں ہوتی۔ گویا عشاء کی نماز کے بعد اس کا وقت ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کو اپنے اوپر بھروسہ ہو کہ اخیر رات میں ضرور جاگ جاؤں گا تو اس کے لئے اخیر رات کو وتر پڑھنا مستحب ہے لیکن اگر جانے پر بھروسہ نہ ہو تو سونے سے پہلے ہی وتر کی نماز ادا کر لینا چاہیے۔

☆.....رکعاتِ نماز:

۵.....شاگرد: استادِ محترم! پانچوں نمازوں کی رکعتوں کے بارے میں بتا دیجئے؟

☆.....استاد: پانچوں نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اس طرح ہے کہ:.....

نمازِ فجر کی چار رکعتیں ہیں:.....پہلے دو سُنُتیں (موکدہ) پھر دو فرض۔

نمازِ ظہر کی آٹھ رکعتیں:.....پہلے چار سُنُتیں (غیر موکدہ) پھر چار فرض پھر دو سُنُتیں (موکدہ) پھر دو نفل۔

نمازِ عصر کی آٹھ رکعتیں:.....پہلے چار سُنتین (غیر موکدہ) پھر
چار فرض۔

نمازِ مغرب کی سات رکعتیں:.....پہلے تین فرض پھر دو
سُنتین (موکدہ) پھر دونقل۔

نمازِ عشاء کی سترہ رکعتیں:.....پہلے چار سُنتین (غیر موکدہ) پھر
چار فرض پھر دو سُنتین (موکدہ) پھر دونقل پھر تین وتر۔

جمعہ کے ظہر کے وقت نمازِ ظہر کی بجائے نماز جمعہ پڑھتے
ہیں جس کی چودہ رکعتیں ہیں پہلے چار سُنتین (موکدہ) پھر دونقل امام
کے ساتھ پھر چار سُنتین (موکدہ) پھر دونقل (غیر موکدہ) پھر دونقل۔

نمازِ جمعہ کے لئے جماعت ضروری ہے بلہ جماعت نمازِ جمعہ ادا
نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو امام کے ساتھ نمازِ جمعہ نہ ملے تو اس کی جگہ
نمازِ ظہر پڑھے۔

اور نمازِ جمعہ عورتوں پر فرض نہیں ہے وہ اس کی جگہ نمازِ
ظہر پڑھیں۔

☆.....اذان نماز:.....☆

○ شاگرد: استاد محترم! اذان کے کہتے ہیں؟

☆.....استاد: نماز سے کچھ دیر پہلے بلند آواز کے ساتھ مخصوص الفاظ سے
نماز کی طرف بلانے کو اذان کہتے ہیں۔ اذان کے الفاظ یہ ہیں:.....

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ سب سے بڑا ہے اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ سب سے
بڑا ہے (ایک آوازیں)

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ سب سے بڑا ہے اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ سب سے
بڑا ہے (ایک آوازیں)

اَشْهَدُ اَنَّ لَا إِلَهَ اِلَّا اللَّهُ ط (دو دفعہ کہے) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ ط (دو دفعہ کہے) میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

حَيٌ عَلَى الصَّلُوةِ ط آؤ نماز کی طرف (ذرا دائیں منہ کر کے دوبار کہے)
حَيٌ عَلَى الْفَلَاحِ ط آؤ کامیابی کی طرف (ذرا بائیں منہ کر کے دوبار کہے)
اللَّهُ أَكْبَرُ ط اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللَّهُ أَكْبَرُ ط اللہ سب سے
بڑا ہے۔ (صرف ایک دفعہ کہے)

لَا إِلَهَ اِلَّا اللَّهُ ط اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
صحیح کی اذان میں حَيٌ عَلَى الْفَلَاحِ ط کے بعد الصلوٰۃُ خَيْرٌ مِنَ النُّومِ نماز نیند سے بہتر ہے۔ (دو دفعہ کہنا چاہئے)

اقامت میں حَيٌ عَلَى الْفَلَاحِ ط کے بعد قد فَامِتِ الصَّلُوةُ ط بے شک نماز کھڑی ہو گئی (بھی دو دفعہ کہنا چاہئے)
اذان واقامت میں سنت یہ ہے کہاللَّهُ أَكْبَرُ وقف کے ساتھ پڑھیں، جیسے: اللَّهُ أَكْبَرُ اسی طرح اذان واقامت کے ہر کلمہ کا آخری حرفاً وقف کے ساتھ پڑھیں۔

اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیسا ہے؟
☆.....استاد: اذان سے قبل و بعد جس انداز سے درود وسلام پڑھنے کا یرواج ہے یہ بدعت ہے۔ اسی طرح حلقة بناؤ کر لاوڑ سپیکر پر درود وسلام کے نام سے جو کچھ ہوتا ہے، محض ریا کاری ہے۔ درود شریف بلاشبہ افضل ترین عبادت ہے اگر واقعی درود وسلام پڑھنا ہو تو مسجد یا

گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نہایت خشوع و ادب کے ساتھ پڑھیں لوگوں کو اپنی سریلی آوازیں سنانا کوئی عبادت نہیں۔ واللہ اعلم! اذان تو رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر کت زمانے سے چلی آتی ہے، مگر اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ابھی چند برسوں سے شروع ہوا ہے، اگر یہ دین کی بات ہوتی تو رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور اس کی تعلیم فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ علیہم، تابعین عظام، اور بزرگانِ دین رحمہ اللہ علیہم اس پر عمل کرتے، جب سلف صالحین نے اس پر عمل نہیں کیا، نہ رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی تو اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہوا اور رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

تمام اعمال سے مقصود رضائے الہی ہے اور رضائے الہی اس عمل پر مرتب ہوتی ہے جو رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرمودہ طریقے کے مطابق ہو، البتہ شریعت اذان کے بعد درود وسلام پڑھنے اور اس کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم ص ۲۹۳، از:.....مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

۵.....شاگرد: استاد محترم! دعائے وسیلہ کیا ہے؟ اور درود کونسا پڑھنا افضل ہے؟

☆.....استاد: جب اذان ختم ہو تو نماز والا درود شریف پڑھنا افضل ہے اور پھر مندرجہ ذیل دعائے وسیلہ پڑھے:.....

اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدُّعَوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اتِّمْ مُحَمَّدَ الْوَسِيلَةَ

وَالْفَاضِيلَةُ وَابْعَثْتُهُ مَقَامًا مَحْمُودًا، الَّذِي وَعَدْتَهُ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ
الْمِيعَادَ۔ (حوالہ حسن حصین ص ۱۵۷)

اے اللہ! اے پروردگار اس پوری پکار کے اور قائم ہونے والی نماز کے رب تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرماء اور ان کو مقام محمود میں کھڑا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

☆.....نماز کی ادائیگی کا سنت طریقہ اور نماز میں

پڑھے جانے والے کلمات:.....

○.....شاگرد: استاد محترم! نماز پڑھنے کا سنت طریقہ کیا ہے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے نام اور عبارتیں کیا کیا ہیں؟

☆.....استاد: جب نماز کا وقت ہو جائے تو ہمیں چاہیے کہ پہلے اچھی طرح سنت طریقہ کے مطابق وضو کریں اور یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دربار کی حاضری کے لئے اور اس کی عبادت کے لئے یہ پاکی اور یہ صفائی ضروری ہے، اللہ سبحانہ، تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے وضو میں بھی ہمارے لئے بڑی رحمتیں اور برکتیں رکھی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ:..... وضو میں جسم کے جو حصے اور جو اعضاء دھونے جاتے ہیں، ان اعضاء سے ہونے والے گناہ وضو ہی کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں اور ان گناہوں کا ناپاک اثر گو یا وضو کے پانی سے دھل جاتا ہے۔

وضو کے بعد جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہونے لگیں تو چاہیے کہ خوب اچھی طرح دل میں یہ خیال جائیں کہ ہم گناہ ہگار اور سیاہ کار بندے اپنے اُس ماک و مبعود کے سامنے کھڑے ہو

رہے ہیں جو ہمارے ظاہر و باطن اور کھلے چھپے سب حالات جانتا ہے اور قیامت روز ہم کو اُس کے سامنے پیش ہونا ہے۔

نیت:.....

نیت دل کا ارادہ ہے نماز پڑھنے سے پہلے متعین کرے کہ نماز فرض ہے یا سنت، با جماعت ہے یا علیحدہ، کتنی رکعات ہیں اور پانچ نمازوں میں سے کون سی نماز ہے۔ پس دل ہی دل میں ان امور کی تعین کافی ہے۔ لیکن اگر کسی کو وساوس آتے ہوں اور وہ نماز شروع کر کے توڑ دیتا ہو یا نماز کے خشوع و خضوع اور دھیان میں کمی آتی ہو اس خیال سے کہ کہیں نیت میں غلطی تو نہیں ہو گئی، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ زبان سے بھی کلمات دھرا لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ (بخاری)

قیام:.....

صحت مند آدمی کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے مغذور ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور اگر بیٹھنے کی بہت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔ ایسی حالت میں سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ بھکرے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو نماز کو موئخر کرنے کی اجازت ہے چونکہ اس کے بعد کوئی مرحلہ نہیں اور آنکھوں کے اشارہ سے نماز نہیں ہوتی۔ واضح رہے کہ نوافل میں اختیار ہے چاہے کھڑے ہو کر

ادا کرے یا بیٹھ کر۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر تو بہر حال نماز ادا کرو۔ (بخاری)

الله اکبر کہتے ہوئے نماز شروع کرے، تکبیر کے بعد سلام پھیرنے کے تک نماز کے علاوہ تمام خارجی کام حرام ہو گئے، اسی لئے اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور ہر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لیے تکبیر کہہ۔

نماز کی نیت کے بعد نمازی دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لوٹک اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں نہ بہت ملی ہوں نہ کھلی ہوئی ہوں بلکہ اصلی حالت پر رہیں۔

حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب نماز شروع کرنے کی تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برایہ ہو جاتے۔ (طحاوی)

الله اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ اس طور پر باندھ کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے اور انگوٹھے اور چہنگلیا کا حلقة بنا کر گئے کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیاں کلانی پر رہیں۔

حالت قیام میں ہاتھوں کو ٹاف کے نیچے باندھنا مسنون ہے.....حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ

کی سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے۔ (ابو داؤد)

اللَّهُ أَكْبَرِ کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے امام ہو یا مقتدی آہستہ آواز سے یہ ثناء پڑھے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ سب سے بڑا ہے (اس کے بعد یہ ثناء پڑھے)
سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى
جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

اے اللہ تو پاک ہے اور میں تیری تعریف کے ساتھ تجھے یاد کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معمود نہیں پھر تعوذ اور تسمیہ پڑھیں (وہ یہ ہیں)

ثناء پڑھنے کے بعد منفرد اور امام کو چاہئے کہ پست آواز سے یہ تعوذ پڑھے اور مقتدی ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ O

میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے،
تعوذ کے بعد امام آہستہ آواز سے تسمیہ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ O

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت بڑا مہربان اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تسمیہ

بلند آواز سے پڑھنے کا نہیں تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازوں پڑھیں، لیکن کسی ایک کو بھی (بلند آواز سے) بسم اللہ الرحمن الرحيم پڑھتے ہوئے نہیں سن۔ (مسلم)

امام ترمذیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جمہور صحابہ کا بھی عمل یہی تھا۔ جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد تابعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ سفیان ثوریؓ، ابن المبارکؓ، امام احمدؓ، اسحاقؓ، یہ سب کے سب تسبیہ اونچی پڑھنے کے قائل نہ تھے، بلکہ کہتے تھے کہ تسبیہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ (ترمذیؓ: ما جاءه في ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحيم) اگر نمازی امام ہے تو بسم اللہ کے بعد فجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھے اور ظہر و عصر کی نمازوں میں آہستہ۔

اگر نمازی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے تو خاموش رہے۔ اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ بھی تسبیہ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے۔

منفرد سورۃ فاتحہ پڑھے منفرد وہ شخص ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے:.....

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ مَلِكُ يَوْمٍ
الَّذِينَ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ ۝ امِينٌ

ہر قسم کی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا
پانے والا ہے بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہے روز جزا کا مالک
ہے۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجوہ ہی سے مدد
چاہتے ہیں ہم کو سیدھا راستہ دکھا ایسے لوگوں کے راستے پر جن پر
تو نے اپنا انعام کیا ہے ان کے راستے پر جن پر تیرا غصب نازل ہوا
اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔
الحمد شریف ختم کر کے آہستہ سے آمین کہیں پھر سورۃ اخلاص یا کوئی اور
سورۃ یا د ہو تو پڑھیں۔

شعبد لائبری
حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا：“جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی
نماز نہیں ہوتی۔”

اس حدیث کی تشریع کے لئے ہم صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم، حضرات تابعین و محدثین کی طرف رجوع کرتے ہیں، چونکہ
وہ آنحضرۃ ﷺ کے مطلوبہ مفہوم و مراد کو بخوبی سمجھتے تھے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اکیلا
نماز پڑھے، اس کے لئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری
ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے ہو تو ضروری نہیں ہے۔

اسی لئے امام بخاریؓ کے استاذ اور ایک عظیم محدث امام احمدؓ

نے بھی حضرت عبادہؓ والی اس حدیث کو منفرد پر ہی محمول کیا ہے جسے امام ترمذیؓ نے نقل کیا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوگی، اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی۔ مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام بخاریؓ کے استاذ امام احمدؓ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک کا مفہوم وہ ہے جو ایک جلیل القدر صحابی نے سمجھا ہے کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔ (ترمذی: ترک القراءة خلف الامام)

تعلیمات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ با جماعت نماز میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ نہیں پڑھنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”..... اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (الاعراف: ۲۰۳)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفہیر ابن کثیر) امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ (یعنی اس آیت کے مذکورہ شان نزول میں) امام زید بن اسلم اور ابو العالیؓ فرماتے ہیں ” کہ بعض لوگ امام کے پیچھے قرأت

کیا کرتے تھے تو یہ حکم نازل ہو گیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ (المغنى)

حضرت بشیر بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے محسوس کیا کہ بعض لوگ امام کے ساتھ قرأت کرتے ہیں۔ نماز کے بعد آپ نے ایسے لوگوں کو ڈانتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو اس کے باوجود تم اس بات کو نہیں سمجھتے، کیا اب بھی تھمارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا۔" (تفسیر ابن کثیر)

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اسی جب امام قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش رہیں۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں دو قسم کے حکم ہیں۔ (۱) غور سے سنو۔ (۲) خاموش رہو۔ ان دونوں پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی امام کے ساتھ قرأت نہ کرے۔ چاہے امام اونچی قرأت کر رہا ہو یا آہستہ، البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو مقتدی جھری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا، اس نے مندرجہ بالا دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی کہ نہ تو امام کی قرأت کو غور سے سنا اور نہ خاموش رہا اور جو مقتدی سری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا، اس نے دوسرے حکم کی مخالفت کی کہ خاموش نہیں رہا۔ اسی لئے مشہور مفسر امام ابو بکر جاصعؓ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اس آیت کی

رو سے جس طرح جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ اس طرح سری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ چونکہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس میں جہری نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ الغرض جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اور جب وہ آہشتہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا بہر حال ضروری ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہے۔ (احکام القرآن)

بہر حال اس آیت میں خاموشی کا حکم ہے، اور خاموش رہنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب مقتدی امام کے پیچے قرأت نہ کرے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث ہے۔ جس میں خود رسول ﷺ نے امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرمادیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور راہ سنت دکھائی ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کر لیا کرو۔ پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کروائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الفاسدین پڑھ لے تو تم آمین کہو، اللہ تمہاری دعاء قبول کرے گا اور جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ واضح رہے کہ امام تم سے پہلے رکوع میں

جاتا ہے اور تم سے پہلے رکوع سے اٹھتا ہے۔ جب امام سمع اللہ لمن حمده کہے تو تم ربناک الحمد کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کرے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے توسط سے یہ بتایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تعریف کر کے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔ (مسلم شریف)

علامہ ابن تیمیہؓ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمدؓ، امام مسلمؓ اور امام اسحاقؓ نے صحیح قرار دیا ہے لہذا اس پر کسی طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔

جب امام سورۃ فاتحہ مکمل کر چکے تو مقتدی آہستہ سے آمین کہے۔ یہی اویٰ (یعنی اقرب الی السنۃ) ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے جس میں حشویؓ نے نماز کا طریقہ پڑایا کہ جب امام ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھ لے تو تم آمین کہو اللہ تمہاری دعاء قبول کر لے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور آسمان میں ملائکہ بھی کہیں اور ایک دوسرے میں موافقت ہو جائے تو آمین کہنے والے کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آمین دعاء ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آمین ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دعاء میں اخفا (آہستہ) کا حکم فرمایا ہے۔

”ادعو ربکم تضرعاً وخفیه انه لا يحب المعتدین.“

(الاعراف ۵۵)

”اللہ سے دعاء کرو گڑگڑا کر اور خفیہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

اس آیت کے ذیل میں ابن کثیر نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازوں کو بلند کرنا شروع کر دیا۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میانہ روی سے کام لو تم کسی بہرے یا غائب شخص کو نہیں پکار رہے، جس کو تم پکارتے ہو وہ ہر بات کو سننے والا ہے نزدیک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ج ۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔ آمین دعا ہے۔ آمین ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا میں انفقاء پوشیدگی، اور عاجزی کا حکم دیا ہے۔

جو لوگ اونچی آواز میں دعا کرتے تھے نبی کریم ﷺ نے ان کو روکا۔

اللہ تعالیٰ ہر (اونچی، ہلکی) آواز کو سننے والے اور ہر شخص کے قریب ہیں۔

لہذا آہستہ آواز سے آمین کہنی چاہئے چونکہ یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر

سے جملے میں سارے مسئلہ کو حل کر دیا کہ:

”اگر آمین دعا ہو تو سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۵۵ کی رو سے آمین آہستہ کہنا چاہئے اور اگر آمین ذکر ہو تو بھی سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ کی رو سے آہستہ کہنی چاہئے۔

وہ آیت یہ ہے:.....

”واذکر ربک فی نفسک تصرعاً وخفیه ودون الجهر

من القول۔ (”الاعراف ۲۰۵)

ابو معمر حضرت عمر رضی اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے۔ (۱) تعوذ (۲) تسیہ (۳) آمین (۴) ربنا لک الحمد (عینی شرح ہدایہ)

آہستہ آمین کی ترجیح کے لئے اتنا کافی ہے کہ آیات قرآنیہ اور مسلم کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے بھی اوپھی آواز میں آمین کہنے کا ثبوت نہیں ملا۔

کسی صحیح حدیث میں آمین اوپھی کہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

بلند آواز سے آمین کہنا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوا اور نہ ہی چاروں خلفائے راشدین سے۔ اور جو کوئی روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں، وہ جرح اور تنقید سے خالی نہیں۔ (”آثار السنن)

سورۃ فاتحہ کے بعد امام اور منفرد کوئی اور سورۃ، ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھیں۔

**قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ
يَكُنْ لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ ۝**

اے نبی کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس سے کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

الحمد شریف کے بعد قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا چاہیے، اور کم سے کم ہر مسلمان مرد و عورت کو چار سورتیں حفظ ہو نی چاہیں، تاکہ نماز کی ہر رکعت میں الگ الگ قرات کر سکے۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں ایک ہی سورۃ پڑھنا مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم ص ۳۷۸)

ظہر، عصر، عشاء اور مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملائیں، آخری رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہمیں ایک آیت سنادیتے تھے اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرتے تھے، عصر اور صبح میں بھی یوں ہی کرتے۔ (بخاری: ما يقرأ في الآخرين بفاتحة الكتاب)

امام اور منفرد ظہر، عصر میں قرات آہستہ کریں۔ فجر، نماز جمعہ، عیدین، رمضان میں باجماعت وتر میں امام بلند آواز سے

قرأت کرے، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعات میں بلند اور بقیہ میں آہستہ قراءت کرے۔

حضرت ابو معمر نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کیا کرتے تھے؟ فرمایا：“ہاں،” ابو معمر نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا؟ فرمایا：“آپ ﷺ کی داری مبارکہ کے ہنے سے معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ پڑھ رہے ہیں۔ (بخاری: باب القراءة في العصر)

.....ركوع.....☆

قراءت سے فارغ ہو کر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور رفع یدین نہ کرے، اس طرح رکوع سے اٹھتے ہوئے اور تیسرا رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین نہ کرے چونکہ قرآن کریم، حدیث شریف، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور بہت سے اسلاف کا یہی عمل رہا ہے، لہذا یہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم ﷺ کی مسنون نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور صرف نماز کی ابتداء میں رفع الیدين کیا۔

(ترمذی: ما جاء في رفع اليدين)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ بعد میں نہیں۔

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ابتدائے تکمیر کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔“ -

چنانچہ سورۃ کے ختم ہونے پر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیلئے جھک

جاوہ رکوع میں دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لو رکوع میں کمر سر کے برابر ہو دونوں بازو پسلیوں سے جدا رہیں پنڈلیاں اور رانیں پل کی طرح سیدھی رہیں۔ ترچھی نہ ہوں۔ اور پیٹ کو ذرا نیچے کی طرف جھکا لو۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ (ترجمہ) پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پور دگار بزرگ کی۔

پورے اطمینان اور حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ تین یا پانچ مرتبہ پڑھیں۔

حضرت ابو مسعود النصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا، وہ نماز کافی نہیں جس میں نمازی رکوع میں اپنی کمر کو سیدھا نہ رکھے۔ (ترمذی)

پھر سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ، (اللہ نے اس کی سنی جس نے اس کی تعریف کی) کہتے ہوئے سیدھا کھڑے ہو جائیں اور ربنا لک الحمد کہیں۔ با جماعت نماز ہو تو امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدى رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ پھر آپ ﷺ رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہتے۔ (بخاری)

ربنا لک الحمد کے بعد حَمْدًا كَيْفِيًّا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ پُرَهنا مستحب ہے اس کی بڑی فضیلت ہے۔

حضرت رفاعة زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ رکوع سے

اٹھے تو سمع اللہ من حمدہ کہا، ایک مقتدی نے کہا ”ربنا لک الحمد حمداً كثیراً طیباً مبارکاً فیه“۔ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ”بیہ انوکھی بات کس نے کی؟“۔ ایک شخص نے عرض کیا ”جی میں نے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تیس (۳۰) سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کو لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ (بخاری : فصل اللهم ربنا ولک الحمد)

پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے جائیں۔ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اس کے برعکس یعنی جو عضو سب سے آخر میں رکھا ہے اسے پہلے اٹھائیں اور آخر ناک یہی ترتیب رکھیں۔ سجدہ میں کہنوں کو جسم سے علیحدہ رکھیں۔

حضرت واہل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔ (ترمذی)

.....دونوں سجدے:

پھر اللہ اکابر کہتے ہوئے سجدے میں اس طرح جاؤ کہ سینے کو آگے جھکائے بغیر پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھو پھر دونوں ہاتھوں کے نیچے میں پہلے ناک پھر پیشانی زمین پر رکھو پھر سجدے کی تسبیح پورے اطمینان اور حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ تین یا پانچ مرتبہ پڑھیں۔

سُبْحَانَ رَبِّيْ الْأَعْلَى (پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار

برتر کی)

پھر تکبیر کہتے ہوئے سیدھے بیٹھ جائیں، اس دوران یہ
دعاء پڑھنا مستحب ہے۔

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَاهْلِنِي،
وَارْزُقْنِي“ (ترمذی: ما يقول بين سجدين)

سجدہ میں کہیاں زمین پر نہ بچھائیں کہ یہ آداب سجدہ
کے خلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے
ہیں کہ سجدہ میں اعتدال کرو۔ اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں
کہیوں کو کہتے کی طرح نہ بچھائے۔ (مسلم : الاعتدال في السجدة)

سجدہ سات اعضاء کو زمین پر لگا دینے کا نام ہے، اگر
کوئی عضو بھی زمین سے بلند رہے گا تو اسی درجہ میں سجدہ ناقص
شمار ہوگا۔ اعضاۓ سجدہ کا ذکر حدیث میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی
کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر
سجدہ کروں، پیشانی پر اور آپ نے ناک کی طرف بھی اشارہ
کیا، دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر، دونوں پاؤں کی انگلیوں
پر۔ (اور ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ) ہم نماز میں کپڑوں اور
بالوں کو نہ سمیئیں۔“ (بخاری : باب المسجد على الانف)

سجدے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں کھڑے ہوں اور
ان کی انگلیاں قبلے کی طرف ہوں چہرہ دونوں ہتھیلوں کے عین پیچے
میں ہو اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کا نو کے برابر ہوں انگلیاں ملی

ہوئی ہوں اور سیدھی قبلہ رخ ہوں، کہیاں پسلیوں سے اور رانیں پیٹ سے الگ رہیں اور بالکل سیدھی پدر کی طرح ہوں ، ترجیحی نہ ہوں - نیز کہیاں کھڑی رہیں زمین سے نہ لگیں، اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھو اور سیدھے بیٹھ پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسرا سجدہ اسی طرح کرو، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ، اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ نہ لکیو، یہ ایک رکعت پوری ہو گئی ، سجدوں کے بعد اٹھنے پر دوسری رکعت شروع ہو گئی۔

حضرت نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ پہلی اور تیسرا رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (الدرایہ)

اسلاف امت کا اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ پہلی اور تیسرا رکعت کے بعد بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے۔

پھر بسم اللہ پڑھ کر الحمد شریف پڑھو پھر کوئی اور سورۃ ملائی اور پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت پوری کرو۔ یہ بات یاد رکھو کہ اگر امام کے پیچے نماز پڑھو تو شاء کے بعد خاموش ہو جاؤ اور امام کی قرأت سنو، الحمد شریف اور سورۃ پڑھنے کی ضرورت نہیں دوسری رکعت ختم کرنے پر تشهید کیلئے بیٹھ جاؤ۔ دونوں سجدوں کے درمیان اور تشهید پڑھنے کی حالت میں اس طرح بیٹھا جائے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور اس کی انگلیاں قبلے کی طرف رہیں۔ اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ ، بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر قبلہ رخ کر کے رکھو اور پھر تشهید یعنی التحیات پڑھو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لئے بیٹھنا ہے اور آپ اپنا بابیاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

.....التحیات☆

التحیاٰث لِلّٰهِ وَالصَّلٰوٰثُ وَالطَّيِّبٰتُ السَّلٰامُ عَلٰيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَّ كَاهُهُ ۝ السَّلٰامُ عَلٰيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّلٰبِحِينَ ۝
أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلٰهَ إِلٰهٌ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ۝

تمام زبان کی عبادتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور بدن کی عبادتیں اور مالی عبادتیں بھی ، سلام تم پر اے نبی (ﷺ) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبد نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر دور رکعت والی نماز ہے التحیات کے بعد درج ذیل درود شریف اور دعاء پڑھ کر سلام پھیر دے اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہے تو پھر التحیات پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے تیسرا رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔ اور بسم اللہ پڑھ کر صرف الحمد شریف پڑھے اور رکوع میں چلا جائے اسی طرح چوتھی رکعت پوری کرے ، ہاں اگر چار رکعت والی نماز سنت نقل یا تین وتر ہیں تو تیسرا اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورۃ بھی ملائے۔

مسئلہ نمبر(۱) جب اشہدُ اَنَّ لَا إِلٰهَ إِلٰهٌ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پر پہنچ تو پہنچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر لَا إِلٰهَ کہتے وقت اپنی انگلی شہادت اٹھائے

اور إِلَّا اللَّهُ كَبِيْتَ ہوئے چھوڑ دے، مگر حلقہ اور عقد کی بیت کو آخر تک باقی رکھے کیونکہ ایسا کرنا سنت ہے۔

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی ساتھ والی انگلی کو شہادت والی انگلی کہتے ہیں، چونکہ جب نمازی نماز میں اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے تو یہ انگلی بھی یہی شہادت دیتی ہے۔ لہذا تشهد میں جب اشہد ان لا اللہ پر پہنچیں تو ہاتھ کی بڑی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائیں، شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں اور لا اللہ پر انگلی کو نیچے کر لیں اور یہ حلقہ نماز کے آخر تک بنائے رکھیں۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ جب نماز کے لئے بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے ملا لیتے۔ (مسلم)

مسئلہ نمبر (۲) اگر یہ نماز چار رکعت یا تین رکعت والی ہے تو التحیات صرف عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ تک پڑھے، اگر غلطی سے فرض واجب یا سنت مؤکدہ کے درمیانی التحیات میں درود شریف اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ تک یا اس سے زیادہ پڑھ لے تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا اگر اس سے کم پڑھا تو سجدہ سہونہ آئے گا۔

مسئلہ نمبر (۳) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ نہ ملائے اگر کوئی غلطی سے سورۃ ملائے تو نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہو بھی نہ کرنا پڑے گا۔

دروع شریف:.....اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ طَالَّهُمْ
بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ط

اے اللہ رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی
آل پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ہے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ا
ن کی آل پر تحقیق تو تعریف کے لائق بزرگی والا ہے اے اللہ برکت
نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد پر جیسا کہ تو نے
برکت فرمائی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ان کی آل پر تحقیق تو
تعریف کے قابل بزرگی والا ہے۔

یہ درود شریف دراصل رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لیے (یعنی آپ کے
گھر والوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص دینی تعلق
رکھنے والوں کے لیے) رحمت اور برکت کی دعا ہے۔ ہم کو دین کی
نعت اور نماز کی دوست چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے
واسطے سے ملی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے اس احسان کے شکریے کے طور پر ہمارے ذمہ
مقرر کیا ہے کہ جب نماز پڑھیں تو اس کے آخر میں حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص
متعلقین کے لیے رحمت و برکت کی دعا بھی کریں۔

☆.....دروع شریف کے بعد کی دعائیں:.....

ان سب کو پڑھ لیں یا کوئی ایک دعا پڑھ لیں تو بھی کافی ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبُ إِلَّا أَنْتَ
فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنْكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ط
اے اللہ تحقیق میں نے ظلم کیا اپنی جان پر بہت ظلم اور کوئی نہیں
بخشنما گناہوں کو سوا تیرے سو بخش میرے لئے اپنی بخشش سے اور رحم فرمایا
مجھ پر، بے شک تو ہی بخشش والا بہت رحم والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيمَ الصَّلَاةَ وَمَنْ ذَرَّتِيْ طَرَبَنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ط
رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ط

اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسل کو
بھی، اے رب میری دعاء قبول فرمایا رب ہمارے بخش مجھ کو اور
میرے والدین کو اور تمام مؤمنین کو جس دن حساب قائم ہو۔
اس کے بعد دائیں طرف اور پھر بائیں طرف سلام پھیر دیں
سلام پھیرتے وقت دائیں، بائیں فرشتوں اور تمام مؤمنین جنت
وانسانوں کی نیت کریں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ (سلام ہوتم پر اور اللہ کی رحمت)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ نبی اکرم ﷺ السلام علیکم ورحمة اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں
سلام پھیرتے۔ (ترمذی)

اگر با جماعت نماز ہو۔ جن نمازوں کے بعد سنیں نہیں
پڑھنی ہوتیں تو امام کو چاہئے کہ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی
طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ
نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے۔ (بخاری)

☆.....نماز کے بعد کی مسنون تسبیحات، دعاء :.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! فرض نماز کے بعد کیا پڑھنا چاہیے؟

☆.....استاد: ہر فرض نماز کے بعد سلام پھیر کر تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہہ کر ان تسبیحات کا پڑھنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی خدمت میں فقراء اور مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ تو اعلیٰ درجات اور جنت کی نعمتوں میں ہم سے سبقت لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نماز روزہ میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں لیکن وہ مالی خیرات کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ جس سے تم بھی سبقت لے جانے والوں کے برابر ہو جاؤ اور اپنے بعد والوں کے علاوہ اور کوئی تم سے افضل نہ رہے۔ انہوں نے عرض کیا، ضرور۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سچان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳۳ بار پڑھا کرو۔

حضرت ابو صالحؓ کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد پھر فقراء اور مہاجرین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی ہماری طرح یہ عمل شروع کر دیا، ارشاد ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ (مسلم)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ " ہر نماز کے بعد یہ تسبیحات پڑھنے والا کبھی ناکام

نہیں ہوگا) ہمیشہ کامیاب ہوگا (سبحان اللہ ۳۳ دفعہ، احمد اللہ ۳۳ دفعہ، اللہ اکبر ۳۳ دفعہ۔ (مسلم)

نماز کے بعد آئیہ الکری پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مندرجہ ذیل دعا پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمَنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَلِ
وَالْأَكْرَامُ (مسلم و ترمذی ۱: ص ۲۶) اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے تو بڑا بابرکت ہے اے صاحب عظمت اور بزرگی کے۔

وَبَنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقَنَا عَذَابَ النَّارِ ط
اے رب ہمارے دے ہمیں دنیا میں بھلانی اور آخرت میں بھلانی اور ہمیں بچاؤ زخم کے عذاب سے (پارہ نمبر ۲ سورۃ البقرہ)

۵.....شاگرد : استاد محترم! کیا دعاء ہاتھ اٹھا کر مانگنی جائز ہے یا نہیں؟
☆.....استاد: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی بابت بعض لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض تو اس کو نماز کا ایک جزو شمار کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے، اس وقت رب ذوالجلال کے حضور ہر قسم کی دعا کی جا سکتی ہے۔
عربی میں ہو یا اپنی زبان میں بس اس دعا کو سمجھ کر اخلاص اور حضوری قلب کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اس وقت دعا کرنا مستحب ہے لیکن نماز کا لازمی حصہ نہیں۔ اس معاملے میں شدت اختیار کرنا اعتدال کے منافی ہے۔ اسے نماز کا لازمی حصہ نہیں کہنا چاہئے، اور اگر کوئی مانگتا ہے تو اس کو ناجائز یا بدعت نہیں کہنا چاہئے، یہ ایک مستحب عمل ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا ہے کریم ہے جب بندہ اللہ کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ وہ اس کو خالی ہاتھ واپس کر دیں۔ (ترمذی)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں تو اللہ ضرور ان کے ہاتھوں میں وہ چیز ڈال دیتے ہیں جو انہوں نے مانگی۔ (مجموع الزوابد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی)

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ تیسرا حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کے بعد قبولیت دعا کا وقت ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

دعا کے شروع و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و شنا اور حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔ انہاک، توجہ اور حضوری قلب کے ساتھ گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے۔ اور اس یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سن رہا ہے۔ اور وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور مشکلات کو حل کرتا ہے۔

پریشانیوں کو رفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دعاوں کو قبول کرنے والا اور مشکلات کو حل کرنے والا نہیں ہے۔ دراصل دعا مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اگر اس کے تمام تر آداب کا خیال رکھتے ہوئے مکمل توجہ کے ساتھ مانگی جائے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی شایان کی پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اب اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔ (ترمذی)

سجدہ سہو اور اس کا طریقہ:.....

○.....شاگرد: استاد محترم! نماز میں اگر کوئی بھول ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے، کیا نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہیے؟

☆.....استاد: اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض بھولے سے پہلے ادا ہو جائے یا اس کی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو جائے یا کوئی واجب چھوٹ جائے یا رکعتوں کی صحیح تعداد بھول جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور نئے سرے سے ادا کرنی پڑے گی۔

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعده اخیرہ میں (یعنی نماز کی آخری رکعت میں) تشهد کے بعد درود شریف اور دعا سے پہلے دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کریں، پھر تشهد درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول یہ ہے کہ نمازی بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھ جائے، یا (تین چار رکعت والی نماز میں) دو رکعتوں کے بعد (بھول کر) سلام پھیر دے، تو ایسا شخص سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے پھر تشهد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (طحاوی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبد اللہ ابن عباس حضرت عبد اللہ بن زیبر حضرت انس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور دوسرے بہت سے صحابہ سے بھی سلام کے بعد سجدہ سہو مقول ہے۔ (طحاوی)

اگر با جماعت نماز میں امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو متتبہ کرنے کے لئے بلند آواز سے سبحان اللہ کہیں تا کہ امام متوجہ ہو کر صحیح کیفیت پر لوٹ آئے۔

ایسی طرح قعده اولیٰ چھوٹ جانے پر سجدہ سہو: جو شخص بھول کر قعده اولیٰ نہ کرے، تو اگر کھڑے ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائے، اگر کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو اب بیٹھے نہیں نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نظر کی پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیرا۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول

الصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں نماز میں شک آجائے تو چاہئے کہ شک کو ختم کر کے یقینی بات پر عمل کیا جائے۔ جب اسے مکمل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر دو سجدہ سہو کر لے، اب اگر اس کی نماز پہلے سے مکمل تھی تو یہ ایک اضافی رکعت نفل ہو جائے گی اور اگر واقعی ایک رکعت کم تھی تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، اور سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

مطلوب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ میں نے دو رکعتیں پڑھ لیں ہیں یا تین۔ تو حکم یہ ہے کہ جو پڑھ لیا ہے اسے دو رکعتیں شمار کرے، اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ یعنی کم والے احتمال کو اختیار کیا جائے۔

مرد اور عورت کی نماز کا فرق:

○.....شاگرد: استادِ محترم! مرد اور عورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟
 ☆.....استاد: عورتوں کی نماز صحیح احادیث مبارکہ کی روشنی میں مردوں کی نماز سے کچھ مختلف ہے۔ مثلاً:
 ☆.....عورتیں چھپ کر نماز پڑھیں، جبکہ مرد حضرات مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں۔

☆.....عورتیں تکبیر تحریکہ کہتے وقت ہاتھ دوپٹے سے نکالے بغیر ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک اور ہتھیلیاں سینے تک اٹھائیں، جب کہ مرد کانوں تک اٹھائیں۔

☆.....خواتین دونوں ہاتھ سینے پر باندھیں، جبکہ مرد ناف کے نیچے باندھیں۔

☆.....خواتین رکوع میں اپنے بازوں کو پیٹ کے ساتھ چمٹا کر اتنا جھکیں کہ انگلیاں گھٹنوں پر پہنچ جائیں، جب کہ مرد خوب جھک کر گھٹنوں کو مضبوطی سے کپڑا ہے۔

☆.....خواتین سجدے میں جاتے وقت سینہ آگے جھکا کر اس طرح جائیں کہ پہلے گھٹنے، پھر ہاتھ زمین پر رکھیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی ہوں پھر ناک و پیشانی دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھیں، دونوں پاؤں دافنی طرف نکال کر خوب سمٹ کر سجدہ کریں کہ پیٹ رانوں سے اور بازو پہلو کی پسلیوں سے مل جائیں جب کہ مرد بازو کھلے اور پاؤں کھڑے رکھیں۔

☆.....خواتین کیلئے جلسہ یا تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر دائیں پینڈلی کو باائیں پینڈلی پر رکھ کر کوہے پر بیٹھیں، دونوں ہاتھ رانوں پر رکھیں اور انگلیاں خوب ملی ہوئی ہوں۔ جب کہ مرد باائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں۔ اور ہاتھ کی انگلیاں گھٹنوں پر رکھیں۔

(مأخذ: مرد و عورت کی نماز کا فرق (از:مفتی محمد رضوان صاحب)

☆.....دعاء مانگنے کا سلیقہ سیکھنے:.....

○ شاگرد: استاد محترم! دعا کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

☆.....استاد: فرض نمازوں کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے لہذا دعاء میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ اور دعاء مانگنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو دعاء کیلئے سینہ یا کندھوں تک اٹھائے دونوں ہاتھ آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو

ہتھیلوں کا رخ منہ کی طرف ہو اور نظر ہاتھوں پر ہو جب ہاتھ اچھی طرح کھڑے کر لے پھر الحمد لله رب العالمین پڑھے پھر درود شریف پڑھے پھر دعا مانگے اگر عربی زبان میں دعاء یا دنه ہو تو اپنی زبان میں ہی مانگے نہایت عاجزی اور خشوع سے دعاء مانگے قبولیت کی امید رکھے بلند آواز کی بجائے آہستہ آہستہ دعاء مانگے اور پھر درود شریف پڑھے اور دعاء کے ختم پر دونوں ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لے۔

دعاء دراصل دل کا عمل ہے، زبان سے تو اس کا بس ظہور ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ہاتھوں کا اٹھنا اور زبان سے دعاء کے الفاظ کا نکانا، دعاء کی صورت اور اس کی ظاہری شکل ہے۔ دعاء کی حقیقت توجہ کے ساتھ دل کی طلب اور دل کا اللہ سے مانگنا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب آدمی کو رنج اور غم ہوتا ہے تو وہ روتا ہے۔ اس کے منه سے رونے کی آواز نکلتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، لیکن یہ رونے کی آواز اور آنکھوں سے آنسو، رنج اور غم کی اصل حقیقت نہیں ہے، بلکہ اس کی ظاہری شکل و صورت ہے۔ اصل رنج و غم وہ ہے، جو دل میں ہوتا ہے، آنکھوں اور منه سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ آج ہماری عام حالت یہ ہے کہ کم از کم فرض نماز کے بعد ہم دعاء کرتے ہیں اور بعض اوقات خوب دیر تک دعاء کرتے ہیں، لیکن یہ دعاء صرف زبان کی اور ہاتھوں کی ہوتی ہے، دل متوجہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حال درست فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دعاء نہیں ہے، دعاء کی صرف صورت ہے۔

آپ ابھی سے اس کی عادت ڈالیے کہ آپ کی دعاء اصلی ہو اور

حقیقی ہو، دُعاء کی صرف شکل و صورت نہ ہو۔ خاص کرتہائی میں دل کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالنے۔ اس سے ایمان کی حقیقت مانگنے، علم و معرفت مانگنے، نماز کی حقیقت اور تقویٰ مانگنے، دین کی خدمت کی توفیق مانگنے۔ تہائیوں میں رو رو کے اور ترپ ترپ کے مانگنے، پھر دیکھنے اللہ کا کیسا فضل ہوتا ہے؟ خاص کر حضور اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماثور دُعاویں سے مناسبت پیدا کیجیے۔ حدیث کی ہر کتاب میں کتاب الدعوات ہے، جس میں مختلف موقعوں کی حضور اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سینکڑوں دُعا میں جمع کر دی جاتی ہیں۔ یہ دُعا میں حضور انور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص ورثہ ہیں اور بڑا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کی کنجی ہمارے، آپ ہی کے پاس ہے، جو ان مدرسوں میں حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ افسوس! ہمیں اس خزانے کے جواہرات کی قدر نہیں۔ اگر کوئی ایسا آلہ یا میر ہوتا، جس سے آخرت کے لحاظ سے چیزوں کی قدر و قیمت جانچی جا سکتی تو معلوم ہو سکتا کہ حضور انور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی دُعا میں، دُنیا و مافہیما سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو توفیق دے کہ اس کی اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس عربی تعلیم اور ہمارے ان دینی مدرسوں کی برکت سے، ہمارے لئے اس خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ذرا حضور اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دُعاویں کے مضامین پر تو غور کیجیے!

حضرور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور مختصر دُعاء ہے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَخْشَاكَ كَاتِبَ أَرَاكَ أَبَدًا حَتَّى الْفَاكَ وَأَسْعِلْنِي

بِسْقَوْاکَ وَلَا تَشْفِقُ بِمَعْصِيَتِكَ۔

آے اللہ! مجھے ایسا کر دے کہ میں ہر وقت تجھ سے اس طرح ڈروں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ رہا ہوں اور مجھے تقویٰ کی صفت عطا فرمائے کے نیک نصیب بنا دے اور ایسا نہ ہو کہ تیری نافرمانی کر کے بدجنت ہو جاؤں۔

﴿مَسْلَهٖ كُلُّ نَمازٍ كَعِدَ سُجْدَهٖ مِنْ گَرْ كَرْ دُعَاءٍ مَا كُنَا جائزَ نَهْيِـ﴾۔ (شامی ص ۷۷۵ ج ۱)

☆.....نماز و ترپیڑھنے کا طریقہ:.....

○ شاگرد: استاد محترم! نماز و ترپیڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟

☆.....استاد: عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد یہ تین رکعتیں ہوتی ہیں جو کہ واجب ہیں پہلی دو رکعتیں عام طریقہ پر پڑھ کر قده کیا جاتا ہے اور التحیات پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تیری رکعت میں الحمد شریف اور کوئی اور سورۃ پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر پھر ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور دعائے قوت پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنَثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ طَوَّنَشْكُرُكَ وَلَا تَنْكُفْرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتَرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنُسْجُدُ وَإِلَيْكَ نُسْعَى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوا رَحْمَتَكَ وَنَخْشِي عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ط

آے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تیری بخشش چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری خوبیاں

بیان کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور علیحدہ رہتے ہیں اور ہم چھوڑتے ہیں ، اس کو جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے اور تیرے لئے ہی نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے ہیں تیری جناب میں حاضر ہوتے ہیں اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں تحقیق تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ ماہ رمضان میں نمازوں تراویح کے بعد امام کے ساتھ بجماعت ادا کی جاتی ہے تینوں رکعتوں میں امام با آواز بلند قرأت کرتا ہے مگر مقتدی خاموش رہتے ہیں جب امام تیری رکعت کی قرأت ختم کر لے تو وہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے پھر امام اور مقتدی دونوں مندرجہ بالا دعائے قنوت پڑھیں اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع کریں مگر ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں نمازوں تراویح کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

۵.....شاگرد:.....استاد محترم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی کیا کیفیت تھی؟

☆.....استاد: نبوت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لئے چھپ کر نمازاً ادا کرتے تھے جب نماز کا وقت آتا کسی پہاڑ کی گھانی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے ابو طالب آنکھے انہوں نے دیکھا تو پوچھا! بھتیجی یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی

دعوت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مختلف روایتیں ہیں ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر نماز میں کھڑے رہتے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے پھر سو جاتے پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا فرماتے۔ غرض صحیح تک یہی حالت قائم رہتی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمی رات کے بعد اٹھتے تھے اور تیرہ رکعتیں ادا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نو رکعت کی ہے۔ محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے عام طور پر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبانی گزر چکا ہے۔

فرائض مذکونہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم از کم سنن و نوافل کی امتالیں رکعتیں روزانہ معمولاً ادا فرماتے تھے دو صحیح، چار چار چاشت، چھ ظہر، چار پہلی، اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) دو مغرب، چھ عشاء، تیرہ عشاء و وتران کے علاوہ صلوٰۃ الارواہین، سنت تحریۃ مسجد وغیرہ الگ تھیں۔

تمام سنن میں سب سے زیاد صحیح کی دو رکعتوں کے آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی سے پابند تھے کسی وقت بھی خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کیلئے نہیں ایسا واقعہ حضرت میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے ظہرو عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے نماز بالکل خلاف معمول تھی۔ اس جاکر دو رکعت نماز ادا کی چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی۔ اس لئے ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نے استفسار کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ بیان فرمایا عام امت کیلئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اسے ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔

رمضان المبارک کا مہینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں کیلئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا اور جبریل علیہ السلام قرآن سنانے آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی۔ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زیادہ عبادت گزار ہوجاتے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی

ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر بیدار رہتے تھے۔ ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے بے تعلق ہو جاتے تھے اہل بیت کو نماز کیلئے جگاتے تھے اس آخری عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً اعتکاف بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یادِ الہی اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشا کے بعد تھا روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی اسی تعداد کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت کر لیا کرتے تھے رمضان المبارک میں پورے قرآن کا دور کرتے تھے۔

جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے نماز میں اتفاقاً حاشیوں پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لے جا کر فلاں شخص کو دے آؤ اور اس سے انجانی مانگ لاو، حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔

ایک دفعہ دروازے پر منتش پرده پڑا ہوا تھا نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس کو ہٹا دو اس کے نقش و نگار حضور قلب میں خلل ڈالتے ہیں۔

اس سبق میں نماز کے متعلق کچھ ضروری باتیں عرض کی ہیں کیونکہ نماز وہ کیمیا اثر عبادت ہے کہ اگر اس کو دھیان کے ساتھ اور سمجھ سمجھ کے اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے تو وہ انسان کو

۱) اعمال و اخلاق میں فرشتہ بنا سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے نماز پر قائم رہنے کی اتنی فکر تھی کہ بالکل آخری وقت میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور زبان سے کچھ فرمانا بھی مشکل تھا اُس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو نماز پر قائم رہنے اور نماز کو قائم رکھنے کی بڑی تاکید کے ساتھ وصیت فرمائی تھی۔

پس جو مسلمان آج نماز نہیں پڑھتے اور نماز کو قائم کرنے اور رواج دینے کی کوشش نہیں کرتے، وہ خدارا سوچیں کہ قیامت میں وہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آنکھ ملا سکیں گے، جب کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت کو بھی پا مال کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں نماز قائم کرنے کی توفیق فرمائیں۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: "مسائل نماز" از: مولا نا محمد رعut قاسمی صاحب)

موہرہ کور پام (چکوال)
پاکستان
Chakwal (Chasham) Pakistan

زکوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت

۵.....شاگرد: استاد محترم! ایمان اور نماز کے بعد اسلام کا تیسرا رکن کون سا ہے؟ دین میں اس کی اہمیت اور اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟
 ☆.....استاد: اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز کے بعد دوسری عملی بات زکوٰۃ کا درجہ ہے۔ اس فریضہ کا نام اسلام نے زکوٰۃ اس لیے رکھا ہے کہ اس کے ذریعہ مالداروں کے مال میں سے غرباء کا حق نکال کر اُس مال کو جو امیر آدمی کے پاس رہ جاتا ہے پاک اور قابلِ استعمال بنایا جائے اور حقیقت میں طیب اور پاکیزہ اور قابلِ استعمال مال وہی ہے جس میں غرباء کو بھی شامل کیا جائے اور ان کا حصہ خدائی فرض سمجھ کر خوشی اور بیشاشت کے ساتھ الگ نکالا جائے اور پھر اس حصہ کو خلوص کے ساتھ تقسیم کیا جائے نہ یہ کہ اسے نام و نمود کا ذریعہ بنایا جائے کیونکہ اپنے مال میں سے خدا تعالیٰ کا حصہ نکالے بغیر نہ کسی مسلمان کا مال پاک ہو سکتا ہے نہ اُس میں برکت ہو سکتی ہے۔

قرآن شریف میں جا بجا نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا جو مُرا انجام قیامت میں ہونے والا ہے اور جو سزا ان کو ملنے والی ہے وہ اتنی سخت ہے کہ اُس کے سنتے ہی رو گٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کا پنے لگتا ہے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:.....

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلٍ

اللَّهُ فَبِشِّرْهُمْ بِعَذَابِ الْيَمِينِ هُوَ يَوْمُ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكُوِّيْ بِهَا جَبَاهُهُمْ وَجَنُوبُهُمْ وَظَهُورُهُمْ طَهْذَا مَا كَنَزْتُمْ لَا نَفْسٌ كُمْ
فَلَدُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكِنُّوْنَ ه

اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں ، اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی ”خوبخبری“ سنادو۔ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا ، پھر اُس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی ، (اور کہا جائے گا کہ :) ” یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ! اب چکھو اُس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔“ (سورہ توبہ)

اس آیت کے مضمون کی کچھ تفصیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بھی فرمائی ہے۔ اُس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ.....

”جس شخص کے پاس سونا چاندی (یعنی مال و دولت) ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے (یعنی زکوٰۃ وغیرہ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن اُس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی، پھر ان کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کر کے ان سے اس شخص کی پیشانی کو اور کروٹ کو اور پشت کو داغا جائے گا اور اسی طرح بار بار ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں تپا کے اُس شخص کو داغا جاتا رہے گا اور روز قیامت کی پوری مدت میں اس عذاب کا سلسلہ جا ری رہے گا اور وہ مدت پچاس ہزار سال کی ہو گی (تو گو یا پچاس ہزار سال تک اُس کو یہ سخت عذاب ہوتا رہے گا۔“

بعض احادیث میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے اس کے علاوہ اور دوسرے قسم کے سخت عذابوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اپنے عذاب سے بچائے۔

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ کو قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول ﷺ کے دنیا سے پرده فرما جانے کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے جب زکوٰۃ سے انکار کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین سے اخraf اور ارتکاذ ہے ... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:.....

”خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور ان کے خلاف جہاد کروں گا۔“

پھر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کے اس نقطے نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔ قرآن مجید کی آیات کے علاوہ ہمیں ذخیرہ احادیث میں

سے بھی بہت سی ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں حضور ﷺ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال قرآن پاک اور رسول ﷺ کے ارشادات و خطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیاز مندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے ... زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" بندے کے انہیں اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھتا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ، اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔ تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے جب مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کبجھے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔“ (التوبہ: ۱۰۳)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:.....

”اور اس آتشِ دوزخ سے نہایت مقنی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔“ (سورہ اللیل)

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم پہلی شریعتوں میں زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی برابر رہا ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! زکوٰۃ کا مطلب کیا ہے؟

☆.....استاد: زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے پاس ایک

مقرر مقدار میں مال و دولت ہو وہ ہر سال حساب لگا کر اپنی اُس دولت کا چالیسوائی حصہ غریبوں، مسکینوں پر، یا نیکی کے اُن دوسرے کاموں میں خرچ کر دیا کرے جو زکوٰۃ کے خرچ کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کی ہیں۔

ذرا سوچو ہمارے آپ کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا تو دیا ہوا ہے اور ہم خود بھی اُس کے بندے اور اُسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ہمارا سارا مال بھی طلب کرے بلکہ جان دینے کو بھی کہے تو ہمارا فرض ہے کہ بلا چوں چڑا کے سب کچھ دے دیں۔ یہ تو اُس کا بڑا کرم و احسان ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے صرف چالیسوائی حصہ نکالنے کا اُس نے حکم دیا ہے۔ اور پھر زکوٰۃ و صدقات سے دراصل اپنے ہی غریب اور ضرورت مند بھائیوں کی خدمت ہوتی ہے، تو زکوٰۃ نہ نکالنا دراصل اپنے ان غریب اور مجبور بھائیوں پر ظلم کرنا اور ان کا حق مارنا ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! مقرر مقدار سے کیا مراد ہے؟

☆.....جن مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے، شریعت نے ان کی خاص خاص مقدار مقرر کر دی ہے۔ جب اتنی مقدار کسی کے پاس پوری ہو جائے تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وقت سے کم سمجھوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اوٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

عہد نبوی ﷺ میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار اور سکھجور کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں... اس حدیث مبارکہ میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان کیا گیا ہے۔ سکھجوروں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ وقت سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ایک وقت قریباً ۶ من کا ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وقت سکھجروں تیس (۳۰) من کے قریب ہوں گی۔ اور چاندی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے، اس بناء پر پانچ اوقیہ چاندی دو سو درہم کے برابر ہوگی۔ جس کا وزن مشہور قول کے مطابق سائز حصے باون تو لے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

اس حدیث مبارکہ میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پانچ وقت (۳۰ من) سکھجروں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی ہیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا ہے، اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے اس مقدار

کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب قرار دے دی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔ پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے، اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں سے پانچ درہم واجب ہوں گے۔ جامع ترمذی، سنن ابن داؤد)

۵.....شاگرد: استاد محترم! کس سے مال میں زکوٰۃ فرض ہے؟

☆.....استاد: چاندی سونے اور ہر قسم کے مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے۔

گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جنبد رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق (جسے آگے بیان کیا جائے گا) ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اس حدیث مبارکہ میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اس کا تعلق اسی صورت سے ہے۔ آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ دو سو درہم برابر چاندی جس کے پاس ہو جائیں تو ان میں چالیسوائی حصہ (یعنی ہر چالیس درہم پر ایک درہم) زکوٰۃ واجب ہو گی۔

○.....شاگرد: استاد مختارم! مال تجارت سے کیا مراد ہے؟

☆.....استاد: جو مال بینے اور نفع کمانے کے لیے ہو وہ مال تجارت ہے۔ خواہ کسی قسم کا مال ہو، اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

حضرت سمرہ بن جنبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اس چیز میں زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے خرید و فروخت (یعنی تجارت) کے لئے مہیا کی ہو۔ (سنن ابی داؤد)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سودا گری کرے اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "جس کسی کو کسی بھی جگہ سے مال حاصل ہو تو اس پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہو گی جب تک اس مال پر پورا سال نہ گزر جائے"۔ (جامع ترمذی)
اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

○.....شاگرد: استاد مختارم! چاندی سونے سے اُن کے سکے جیسے اشرفیاں روپے، مراد ہیں یا اور کچھ؟

☆.....استاد: چاندی سونے کی تمام چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے جیسے اشرفیاں، روپے زیور، برتن، گوشہ، ٹھپسہ وغیرہ۔

○.....شاگرد: استاد مختارم! چاندی کا نصاب کیا ہے؟

☆.....استاد: چاندی کا نصاب چون ۵۲ تولے ماشے بھر وزن کی چاندی ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! سونے کا نصاب کیا ہے؟

☆.....استاد: سونے کا نصاب سات تو لے ساڑھے آٹھ ماشے سونا ہے۔ اس کی زکوٰۃ دو ماشے ڈھائی رتی سونا ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک بیٹی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری سنگن تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ : تم ان سنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ان خاتون نے عرض کیا کہ : میں اس کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی ! آپ ﷺ نے فرمایا : تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کی ہوگی اللہ تعالیٰ تمہیں سنگنوں (کی) زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے قیامت میں آگ کے سنگن پہنائے؟ اللہ کی اس بندی نے وہ دونوں سنگن (اپنی بیٹی کے ہاتھوں سے) اتار کر رسول ﷺ کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ : اب یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "اوپاچ" (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنچتی تھی۔ میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ : یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے؟ (جس پر سورہ توبہ کی آیتوالذین یکنزوں النہب والفضةالآلیة میں دوزخ کی وعید آئی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ : جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو ”کنز“ نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد، موطا امام مالک)

ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسرے آئندہ امام مالکؓ امام شافعیؓ اور امام احمدؓ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں، لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان آئندہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اس لئے بعض شافعی المسلک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں خلق مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؓ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہری روایات اسی کی تائید کرتی ہیں۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے؟

☆.....استاد: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے کے بارے میں بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

درحقیقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب مال پر پورا سال گزر

جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے بھی ادا کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

۵.....شاید استادِ محترم ازکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

☆.....استادِ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی ... آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) کردی ہیں تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔ (سنن ابی داؤد) موبہرہ کوریٰ پشم (چکوال)

رسول ﷺ نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:.....

”زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف کی جاسکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے اور ان کی گلو خلاصی کرانے میں اور ان لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی مصیبت میں بتلا ہوں اور (اسی طرح) مجاہدوں اور مسافروں کی

مدد میں۔ (سورہ توبہ ۹:۳۰)

۵.....شاگرد: استاد محترم! مستحقین کا خلاصے کے طور پر ترتیب وار ذکر فرمادیں تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے؟

☆.....استاد: مستحقین کا ترتیب وار ذکر یہ ہے مثلاً:.....

فقراء : یعنی عام غریب اور مفلس لوگ ... فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے) ا Shrیعت میں غنا کا معیار یہی ہے۔

مساكین : وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین : یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ ... یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفة القلوب : ایسے لوگ جن کی تالیف قلب اور دل جوئی اہم دینی و ملی مصالح کے لیے ضروری ہو وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لیے زکوٰۃ کی مدد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رقاب : یعنی نلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلو خلاصی ... اس مدد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

غارمین : جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے

اٹھانے کی ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی توازن... ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ: علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابن اسپیل: اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنہیں مسافت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہیے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مائنتے کے لیے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دولتے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لیے) کسی کو اس حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث کا مدعایہ ہے کہ وہ پیشہ و رسائل اور گداگر جو در در پھر کر لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں بلکہ صدقہ کے لیے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہیے جو شرم و حیا اور عفت نفس کی وجہ سے لوگوں پر

اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے ... یہی لوگ اصل مسکین ہیں۔ جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

۵..... شاگرد: استادِ محترم ازکوۃ کے علاوہ مالی صدقات بھی ہیں؟
استاد: فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے
(سورۃ البقرہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی:.....

”اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو یا مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قربات داروں پر اور یتیموں پر اور مسافروں اور سائکلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوۃ... اخ” (”جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، منند داری)

حدیث کا مقصد و منشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہوئی چاہیے کہ مقررہ زکوۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسوائی حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حالات میں زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب ثروت آدمی حساب

سے پوری زکوٰۃ ادا کرچکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کے پڑوس میں فاقہ یا اس کا فلاں قربیٰ رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبত زده مسافر ایسی حالت میں اس کے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہوتا ایسی صورتوں میں ان ضرورتمندوں، محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشهاد سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمال بر (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد تینوں، مسکینوں، مسافروں، سائکلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر بیہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقل ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے؟
☆.....استاد: حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے۔ پھر اس سے خود بھی فائدے اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے

اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرسکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لیے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا، اگر وہ یہ بھی نہ کرسکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (کم از کم) اثر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ اس کے لیے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو صدقہ کرنا چاہیے۔ اگر روپیہ پیسے سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہوتا کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کرسکے تو زبان ہی سے خدمت کرے۔ حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اس کے لیے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کرسکے ضرور کرے اور اس سے دربغ نہ کرے۔

.....شاگرد: استاد محترم! صدقہ کی ترغیب پر کچھ احادیث بیان فرمادیں؟

☆.....استاد: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے

فرمایا:.....ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدم کے فرزند! تو) میرے ضرورت مند بندوں پر (ابنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ میں سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول ہے اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت اسماء بنتabi سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ان سے فرمایا:.....
تم اللہ کے بھروسے پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گتو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں کتنا راہ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دوگی تو وہ بھی تمہیں اپنی نعمتوں پر بے حساب انڈلیے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدا نخوستہ بند ہو جائیں گے) (الہنا تھوڑا بہت جو ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زکوٰۃ دینے کی کیفیت کیا تھی؟

☆.....استاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات کیا کرتے تھے جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے شہادت دی ہے اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مسحوقین میں تقسیم فرمادیتے لیکن باس ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اس سے بعض فقهاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں ایک مطلق زکوٰۃ و خیرات اور اس باب میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ ہے کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و عدد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک ماں کے قبضہ میں رہے ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہی نہیں ہوئی کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانہ قدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلاں رضی اللہ

عنه نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبکدوش کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت اللہ صدقہ کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: کیا بکری میں سے کچھ باقی رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ :..... صرف ایک دستی اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس دستی کے علاوہ جو اللہ تقسیم کر دیا گیا در اصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں ان شاء اللہ اس کا اجر ملے گا) (جامع ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پیہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہو گی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچالوں۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ کیا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے) آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں

اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوژش دیکھو۔ اے بلال! جو تمہارے پاس آئے اس کو اپنے اوپر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہوا اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانے میں کیا کی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو) (شعب الایمان للبیهقی)

◎.....شاگرد: استادِ محترم! جو دولت مند حضرات اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

☆.....استاد: جو دولت مند کشادہ دستی سے راہ خدا میں خرچ نہ کریں بڑے خسارے میں ہیں.....

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت کعبہ کے سامنے میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں مگر ایسے دولت مند بہت کم ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ رسول ﷺ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ دولت مندی جو بظاہر بڑی نعمت ہے در اصل بڑی کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دول نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے کاموں میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! صدقہ کے خواص و برکات کے متعلق کچھ بیان فرمادیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ: صدقۃ اللہ کے غصب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بڑی موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوئیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے بے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندہ کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غصب اور ناراضی کا مستحق بننے والا ہوتا ہے، کہ صدقہ دینے کی وجہ سے وہ اس سے محفوظ ہو جاتا ہے، غصہ اور غصب کے بجائے رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ صدقہ بڑی

موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمه اچھا ہوتا ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے انسان نیچا نہیں ہوتا بلکہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے۔ اور اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلندی بخشنے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے عرض کیا ہے: اے اللہ کے نبی! (اعلیٰ) بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس پر کیا اجر ملنے والا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا اس کا کئی گناہ اس کو ملنے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

مطلوب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گناہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا دوسری بعض احادیث میں دس گناہ سے سات سو گناہ تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا، اس کے خزانے کی کوئی انہیاء نہیں ہے۔

بعض حضرات اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض کئی گناہ تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بھی زیادہ ہو گا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتناد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کرتے ہیں اس کا کئی گناہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرمادیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔
۵.....شاگرد: استادِ محترم! کیا ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب ہے؟

☆.....استاد: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں لھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنانے گا۔ اور جس مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلانے گا۔ اور جس مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا پیاس کی حالت میں پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو کی جنت کی مہربند شراب طہور پلانے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ:.....جس بندے نے کسی مسلمان کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

آئے تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا، جب میں نے غور سے آپ ﷺ کا روئے انور دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سب سے پہلے جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ ”اے لوگو! آپ میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور سلام کو رواج دو، اور کھانا کھلاو اور آپ میں صلہ رحمی کرو۔ اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۵.....شاگرد: استاد محترم! زکوٰۃ ادا کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

☆.....استاد: جس قدر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے وہ کسی مستحق کو خاص خدا کے وسطے دیدو اور اُسے مالک بنادو۔ کسی خدمت یا کسی کام کی اجرت میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر مالی زکوٰۃ سے فقیروں کے لیے کوئی چیز خرید کر ان کو تقسیم کردو تو جائز ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرنی بھی ضروری ہے یا نہیں؟

☆.....استاد: ہاں زکوٰۃ دیتے وقت یا کم سے کم مالی زکوٰۃ نکال کر علیحدہ رکھنے کے وقت یہ نیت کرنی ضروری ہے کہ یہ مالی زکوٰۃ میں دینتا ہوں یا زکوٰۃ کے لیے علیحدہ کرتا ہوں، اگر بغیر خیالی زکوٰۃ کسی کو روپیہ دے دیا اور دینے کے بعد اُس کو زکوٰۃ کے حساب میں لگا لیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! جس کو زکوٰۃ دی جائے اُسے یہ بتا دینا کہ یہ مالی زکوٰۃ ہے ضروری ہے یا نہیں؟

☆..... استاد: یہ ضروری نہیں بلکہ اگر انعام کے نام سے یا کسی غریب کے پھول کو عیدی کے نام سے دے دو تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

○ شاگرد: استاد محترم! مصارفِ زکوٰۃ کتنے اور کون کون سے ہیں؟

☆..... استاد: موجودہ زمانہ میں مصارفِ زکوٰۃ یہ ہیں:

☆..... فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ تھوڑا مال و اساباہ ہے لیکن نصاب کے برابر نہیں۔

☆..... مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

☆..... قرض دار یعنی وہ شخص جس کے ذمے لوگوں کا قرض ہو اور اُس کے پاس قرض سے بچا ہوا بقدر نصاب کوئی مال نہ ہو۔

☆..... مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہو گیا ہو اُسے بقدر حاجت زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

○ شاگرد: استاد محترم! کن لوگوں کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے؟

☆..... استاد: مالدار یعنی وہ شخص جس پر خود زکوٰۃ فرض ہے یا نصاب کے برابر قیمت کا کوئی اور مال موجود ہو اور اُس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔ جیسے کسی کے پاس تانبے کے برتنا روز مرہ کی ضرورت سے زائد رکھے ہوئے ہیں اور ان کی قیمت بقدر نصاب ہے اُس کو زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں اگرچہ خود اُس پر بھی ان برتنوں کی زکوٰۃ دینا واجب نہیں۔

☆..... سید اور بنی ہاشم بنی ہاشم سے حضرت حارث بن عبد المطلب اور حضرت جعفر اور حضرت عقیل اور حضرت عباس اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم السلام کی اولاد مراد ہے؟

☆.....اپنے باپ۔ ماں۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی چاہے اور اوپر کے ہوں۔

☆.....بیٹا۔ بیٹی۔ پوتا۔ پوتی۔ نواسہ۔ نواسی چاہے اور نیچے کے ہوں

☆.....خاوند اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے خاوند کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

☆.....مالدار آدمی کی نابالغ اولاد۔ ان تمام لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! کن کا مول میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے؟

☆.....استاد: جن چیزوں میں کوئی مستحقِ مالک نہ بنا یا جائے اُن میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے میت کے گور و کفن میں لگا دینا یا میت کا قرض ادا کرنا یا مسجد کی تعمیر یا فرش یا لوثوں یا پانی وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! صدقہ فطر کے کہتے ہیں؟

☆.....استاد: فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے کہ رمضان شریف کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کریں اُسے صدقہ فطر کہتے ہیں اور اُسی روزہ کھلنے کی خوشی منانے کا دن ہونے کی وجہ سے رمضان شریف کے بعد والی عید کو عید الفطر کہتے ہیں۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! صدقہ فطر کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟

☆.....استاد: ہر مسلمان آزاد پر جبکہ بقدرِ نصاب مال مالک ہو صدقہ فطر واجب ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے جو نصاب شرط ہے وہ وہی نصاب زکوٰۃ ہے جو بیان ہو چکا یا کچھ فرق ہے؟

☆.....استاد: نصاب زکوٰۃ اور نصاب صدقہ فطر کی مقدار تو ایک ہی ہے مثلاً چون توہ دو ماشہ چاندی یا اُس کی قیمت۔ لیکن نصاب زکوٰۃ اور نصاب صدقہ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے چاندی سونا یا مالی تجارت ہونا ضروری ہے اور صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے ان تین چیزوں کی خصوصیت نہیں بلکہ اس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لے لیا جاتا ہے۔ ہاں حاجتِ اصلیہ سے زائد اور قرض سے بچا ہو اہونا دنوں نصابوں میں شرط ہے۔ پس اگر کسی شخص کے پاس اُس کے استعمال کے کپڑوں سے زائد رکھے ہوں یا روزِ مرہ کی ضرورت سے زائد تابے، پیشل چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہوں یا کوئی مکان اُس کا خالی پڑا ہے یا اور کسی قسم کا سامان اور اسباب ہے اور اُس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے اور ان چیزوں کی قیمت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں، لیکن صدقہ فطر واجب ہے صدقہ فطر کے نصاب پر سال بھر گذرنا شرط نہیں بلکہ یہاں تک کہ اگر اُسی روز نصاب کا مالک ہوا تو بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! صدقہ فطر کس کی طرف سے دینا واجب ہے؟

☆.....استاد: ہر مالک نصاب شخص پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ

اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے، لیکن نابالغوں کا اگر اپنا مال ہو تو ان کے مال میں ادا کرے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! صدقہ فطر ادا کرنے کا بہتر وقت کیا ہے؟
 ☆.....استاد: عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کرنا بہتر ہے اور نماز کے بعد ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے اور جب تک ادا نہ کرے تو اُس کے ذمہ واجب الادا رہے گا چاہے کتنی مدت گذر جائے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! سب سے بہتر صدقہ فطر کس چیز کا ہے؟
 ☆.....اگر گیہوں یا جو کی قیمت دے دی جائے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ اگر زمانہ ارزانی کا ہو تو نقد دینا بہتر ہے اگر خدا نخواستہ گرانی کا ہو تو کھانے کی چیزوں کا دینا افضل ہے، اور اگر ان سے گراں چیز کی قیمت دیدیں مثلاً آج کل چھوہارا، اور منٹے ان سب چیزوں میں گراں ہے لہذا اس کی قیمت دے دیا کریں کیونکہ حدیث میں وارد ہو اہے:”جب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں زیادہ دے تو تم بھی زیادہ دو۔“
 زکوٰۃ و صدقہ کا جو اجر و ثواب اور جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں ملے گا اُس کے علاوہ اس دنیوی زندگی میں بھی اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے والے مومن کا دل بڑا خوش اور مطمئن رہتا ہے، غریبوں کو اس پر حسد نہیں ہوتا، بلکہ وہ اُس کی بہتری چاہتے ہیں اُس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور اُس کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں، عام دنیا کی نظروں میں بھی ایسے شخص کی بڑی وقعت ہوتی ہے اور سب لوگوں کی محبت و ہمدردی ایسے شخص کو حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُس

کے مال میں بڑی بڑی برکتیں دیتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے فرزید آدم! تو (میرے غریب و حاجت مند بندوں پر اور نیکی کے دوسرے کا مول میں) میرا دیا ہوا مال خرچ کئے جا میں تھجھ کو برابر دیتا رہوں گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات پر حقیقی ایمان و یقین نصیب فرمائے اور ذوق و شوق کے ساتھ عمل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔



روزہ کی اہمیت وفرضیت

۵.....شاگرد: استاد محترم! اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان، نماز اور زکوٰۃ کے بعد کس چیز کا درجہ ہے؟

☆.....استاد: اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز و زکوٰۃ کے بعد عملی عبادت روزہ کا درجہ ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتُبٌ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتُبٌ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔“ (البقرہ۔ آسان ترجمہ قرآن) (کوچم (چکوال)

روزے کی اس تاثیر اور خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے ... سورہ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے ”لعلکم تتقون“ یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہئے کہ ملکوتیت اور بہیمت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے، اس کی طبیعت اور جملت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی

جوہر بھی ہے جو ملأاً اعلیٰ کی لطیف خلق فرشتوں کی خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بھی اور حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ بھی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاراتی کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سر کشی نہ کر سکے... روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعیت و فرمانبرداری کا خواہ بنا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اور اس کے لئے وہ مہینہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلة القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مہینہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو سکتا تھا ... پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت میں راجح ہے ... دن کے روزوں کے ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت

رکھتا ہے۔

رمضان المبارک کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ:
۵.....شاگرد: استاد محترم! رمضان شریف کے بارے میں نبی ﷺ کی فرماتے ہیں؟

☆.....استاد: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول ﷺ نے ہم کو ایک خطبہ دیا... اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ اُنکن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نقل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نقل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدله جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غنیواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے (افطار کرایا تو اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اس

کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول ﷺ ! ہم

میں سے ہر ایک کو تو اظمار کرنے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ اظمار کرادے (رسول ﷺ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تاکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور وہ درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخرت حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اور جو آدمی اس میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا۔ (شعب الایمان للبیهقی)

۵.....شاگرد: استاد محترم خطبہ نبوی ﷺ کی وضاحت فرمادیں؟

☆.....استاد: اس خطبہ نبوی ﷺ کا مطلب و مدعای واضح ہے تاہم اس کے چند اجزاء کی وضاحت کے لیے کچھ عرض کیا جاتا ہے:

(۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات

ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لیے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلة القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قرب اللہ کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی چہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جاسکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصول رضاۓ خداوندی اور قرب اللہ کے سفر کی رفتار لیلة القدر میں اتنی تیز کردی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہیے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ

کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ گویا "لیلۃ القدر" کی خصوصیت تو رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے لیکن تینی کا ثواب ستر گنا ملتا یہ رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان سے مستفید اور منتفع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غنواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلانا۔ طاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غنواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے جو بے چارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پر فاقہ کرتے ہیں۔ اس لیے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غنواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا کہ اس باہر کت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت میں کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا۔ خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیضے

سے آتا ہے۔

(۲) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانہ حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔

اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجہ ہے اور تشرع یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطأ اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ واستغفار اس کی صفائی و تلافي کر لیتے ہیں تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقیٰ اور پرہیز گار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لاائق بنالیتے ہیں درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرمایا جاتا ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کرچکے ہیں اور ان کا حال ہر ابتر رہا ہے اور اپنی بدعملیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافي کر لیتے ہیں تو

آخر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرمدیتا ہے۔ اس تشریع کی بناء پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔

اسلام میں پورے مہینہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور جو شخص بلا کسی عذر اور مجبوری کے رمضان شریف کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے تو وہ بہت ہی سخت گناہ گار ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

جو شخص بلا کسی معذوری اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے، وہ اگر اس کے بدلے ساری عمر بھی روزہ رکھے تو اس کا پورا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقشان ناقابل تلافی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا) وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہو گئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

حدیث کا مدعہ اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی

خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خرمان کی تلافی نہیں ہو سکتی، اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا۔ پس جو لوگ بے پرواہی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ خود کو وہ کتنا نقصان پہنچاتے ہیں۔

○ شاگرد: استادِ محترم! روزہ کسے کہتے ہیں؟

☆..... استاد: صحیح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور نفسانی خواہش چھوڑ دینے کا نام روزہ ہے۔

○ شاگرد: استادِ محترم! رمضان شریف کے روزے کن لوگوں پر فرض ہیں؟

☆..... استاد: ہر مسلمان عاقل، بالغ مردوں عورت پر فرض ہیں اُن کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور بلا عذر چھوڑنے والا سخت گناہ گار اور فاسق ہے۔ اگرچہ نابالغ پر نماز روزہ فرض نہیں لیکن عادت ڈالنے کے لیے بلوغ سے پہلے ہی روزہ رکھوانے اور نماز پڑھوانے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو نماز کا اسے حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو اسے نماز کے لیے (اگر ضرورت ہو تو) مارنا بھی چاہیے اسی طرح جب روزہ رکھنے کی طاقت ہو جائے تو جتنے روزے رکھ سکتا ہو اُتنے روزے اُس سے رکھوانے چاہئیں۔

سحر اور افطار کے بارے میں ہدایات:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! سحر اور افطار کے بارے میں اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

☆.....استاد: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: سحر کھایا کرو کیونکہ سحر میں برکت ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمودی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا امت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ یا افضل سمجھنے لگیں اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس لیے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی رضاو رحمت کا باعث ہے ... مند احمد میں حضرت ابو سعید رضی

اللہ عنہ کی روایت سے رسول ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے: سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے، کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔ (صحیح مسلم)
مطلوب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لیے سحری نہیں ہے اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لیے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہیے اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی شکر ادا کرنا چاہیے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم:

حضرت ابو ہریثؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے۔ (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے) (جامع ترمذی)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اسی مضمون کی حدیث مند احمد میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں "ما عجلو الفطر" کے آگے "واخروا السجور" بھی ہے (یعنی اس امت کے حالات اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرز عمل رہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس میں عام بند گان خدا کے لیے سہولت اور آسانی بھی ہے

جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہِ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لیے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لیے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہودو نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لیے وہ اس امت کے لیے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگزیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صحیح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھالی جائے بلکہ جب صحیح صادق کا وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا۔

افطار کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟

۵.....شاگرد: استاد محترم! روزہ کس چیز سے افطار کرنا بہتر ہے؟

استاد: حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہوتا وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لیے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔ (مسند احمد، سنن ابن داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لیے کھجور بہترین

غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزائی بھی تھی کہ غربا اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فائی بھی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

افطار کی دعا:

○.....شاگرد: استادِ محترم! افطاری کے وقت کیا دعا کرنی چاہیے؟

☆.....استاد: معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: "اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ" (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا) (سنن ابی داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے، پیاس چلی گئی اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہو گئی، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی اور انشاء اللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا... یہ اللہ کے حضور میں آپ ﷺ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول ﷺ افطار کے وقت دعا کرتے تھے: "وَإِسْأَعْ الْفَضْلِ أَغْفَرْ لِي" (اے وسیع فضل و کرم والے مالک! میری مغفرت فرما)

حضرور ﷺ کی روزہ رکھنے کی کیفیت:

۵..... شاگرد: استاد محترم! حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے رکھنے کی کیفیت ہوتی تھی؟

☆..... استاد: سال میں دو میсяنے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرتے تھے سال کے مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا اب آپ کبھی روزہ نہ توڑیں گے پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر روزوں سے رہتے تھے۔ مہینہ میں تین تین دن دو دوشنبے اور ایک جمعرات کو معمولاً روزہ رکھا کرتے تھے بعض روایات میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا، ان کے علاوہ محرم کے دس دن، یکم سے عاشورہ تک اور شوال کے آغاز

میں چھ دن، دو شوال سے سات شوال تک۔

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گھر میں تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تو میں آج روزے سے ہوں، کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے پھر میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا براۓ نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقليد کرنی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محول کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکما نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں اس لئے اس ممانعت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا، تیسرا دن اتفاق سے چاند ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک انتظار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا روزے کے لیے نیت ضروری ہے؟

☆.....استاد: ہاں روزے کے لیے نیت کرنا شرط ہے۔ اگر اتفاقی طور پر صحیح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے یا صحبت سے بچا رہا لیکن روزہ کی نیت نہیں تھی تو روزہ نہ ہو گا۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! نیت کس وقت کرنی ضروری ہے؟

☆.....استاد: رمضان شریف اور نذرِ معین اور سنت اور نفل روزوں کی نیت رات سے کرے یا صحیح کو آدھے دن سے پہلے پہلے تک جائز ہے۔ دن سے مراد شرعی دن ہے جو صحیح صادق سے غروب آفتاب تک کا نام ہے مثلاً اگر چار بجے صحیح صادق ہو اور چھ بجے غروب آفتاب ہو تو شرعی دن چودہ گھنٹے کا ہوا اور آدھا دن گیارہ بجے ہوا تو گیارہ بجے سے پہلے پہلے نیت کر لینی ضروری ہے۔ اور قضاۓ رمضان اور کفارے اور نذرِ معین روزوں کی نیت صحیح صادق سے پہلے کر لینی ضروری ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! رمضان کے قضا روزوں کی نیت کیا ہے؟

☆.....استاد: نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں جب آپ نے صحیح صادق سے پہلے قضا روزے کی نیت کر کے روزہ رکھ لیا تو روزہ صحیح ہے، اگر زبان سے بھی: وبصوم غد نوبت من قضاۓ رمضان۔ (قضاۓ رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کرتا ہوں) کہہ لے تو اچھا ہے مگر روزے کی نیت ان الفاظ کو زبان سے کہے بغیر بھی ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ج ۲)

۵.....شاگرد: استاد محترم! نفل روزے کی نیت کیا ہے؟ اگر بطور نذرِ نفلی روزے مانے ہوں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے روزے رکھوں گا

ان کی نیت کیا ہے؟

☆..... استاد: مطلق روزے کی نیت بھی صحیح ہے اور نفل کی نیت سے بھی صحیح ہے یعنی دل میں ارادہ کر لے کہ میں روزہ رکھ رہا ہوں۔ مگر نذر کے روزے کے لیے نذر کی نیت کرنا ضروری ہے یعنی دل میں یہ ارادہ کر لے کہ میں نذر کا روزہ رکھ رہا ہوں۔ (آپ کے مسائل ج ۲)

○ شاگرد: استاد محترم! سال میں کتنے دن روزہ رکھنا حرام ہے؟
 ☆..... استاد: سال بھر میں پانچ روزے حرام ہیں عید الفطر اور عید الاضحی کے دو روزے اور ایام تشریق کے تین روزے۔ ایام تشریق ذی الحجه کی گیارہویں، بارصویں اور تیرھویں تاریخوں کا نام ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد چارم)

ماہ رمضان کے فضائل اور برکات:

○ شاگرد: استاد محترم! رمضان شریف کے روزوں کی کیا فضیلت ہے؟

☆..... استاد: رمضان شریف کے روزوں کا بہت بڑا ثواب ہے اور بہت سی فضیلیتیں حدیث شریف میں آئی ہیں مثلاً: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خاص اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضامندی کے لیے رمضان کے روزے رکھے تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ روزہ دار کے منہ کی بد بو (جو بعض اوقات معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ دوزخ کی آگ سے

بچا نے والی ڈھال ہے اور ایک مضبوط قلعہ ہے۔ (جو دوزخ کے عذاب سے روزہ دار کو محفوظ رکھے گا)۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود اُس کی جزا دوں گا اسی طرح اور بھی بہت سی فضیلیتیں حدیثوں میں آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دئے جاتے ہیں“۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جهة اللہ البالغ“ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو تحریر فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ... اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعت و حسنات میں مشغول و منہک ہو جاتے ہیں، وہ دونوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تجدید اور دعاء و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوامِ مؤمنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقات میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی روحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضاء کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے، اللہ کی مرضی کی جانب مائل اور شر و خباشت سے تنفر ہو جاتی ہیں،

اور پھر اس مبارک ماہ میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دئے جاتے ہیں، اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشرع کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دئے جانے) کا تعلق صرف اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں ... باقی رہے وہ کفار اور خدا نا شناس لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سرو کار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ایسی محرومیوں سے بچائے اور جو مسلمان محروم ہیں، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہو) اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے بیہاں بھی ان کے لئے محرومی کے سوا کچھ نہیں۔

روزے میں معصیتوں سے پرہیز:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! روزہ رکھ کر کن کاموں سے پرہیز

کرنا چاہیے؟

☆..... استاد: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (صحیح بخاری)

معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و مکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پرواہ نہیں۔

اعتكاف:.....

۵..... شاگرد: استاد محترم! کیا عشرہ اخیرہ میں کوئی خاص عمل بھی ہے؟
 ☆..... استاد: رمضان المبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتكاف بھی ہے... اعتكاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لوگا کے اس درپہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑجانے اور سب سے الگ تھائی میں اس کی عبادت اور اسی کی ذکرو فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخض الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لیے بہترین وقت رمضان المبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لیے اسی کو اس کے لیمیٹب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تھائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس

کے ذکر و فکر کا جو بے تابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی میئنے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وی فرشتے جبراہیل سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے... تحقیق یہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لیے بھی اعتکاف کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لیے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بیہیت کو مغلوب کرنے کے لیے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لیے لازم کردی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت سے دن کونہ کھائے نہ پئے، نہ بیوی سے ممتع ہو اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں پلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے... لیں یہ تو رمضان المبارک میں روحانی تربیت تو تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کو رس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاء اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے

لیے اعتکاف رکھا گیا۔ اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک و مولیٰ کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑھاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے اور رحیم و کریم، مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے۔ اسی حال میں اس کے دس دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں... ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے... رسول ﷺ اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ ﷺ نے دو عشروں اعتکاف فرمایا...

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ازواج مطہرات اپنے جگروں میں اعتکاف فرماتی تھیں اور خواتین کے لیے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کرکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہیے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان کے

آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے... ایک سال آپ اعتکاف نہیں کرسکے، تو اگلے سال بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔
(جامع ترمذی)

حضرت انسؓ کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرہ اخیر میں آپ ﷺ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لیے اگلے سال آپؓ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپؓ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ ﷺ کو اس دنیا سے اٹھایا جائے گا اس لیے اعتکاف جیسے اعمال کا شعف بڑھ جانا بلکل قدرتی بات تھی۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ معتکف کے لیے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنائزہ میں شرکت کے لیے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس وکنار کرے اور اپنی ضرورتوں کے لیے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے ان حوالج کے جو بالکل ناگریز ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہیے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں اور مسجد جامع میں ہونا چاہیے، اس کے سوا

نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

صحابہ کرام میں سے جب کوئی یہ کہے کہ ”سنۃ“ یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے رسول ﷺ کے ارشاد یا طرز عمل سے جانا ہے۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بناء پر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں ”مسجد جامع“ کا لفظ ہے اس سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔ یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو... حضرت امام ابو حنیفہؓ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ بھی شرط ہے، اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتكاف کی وجہ سے مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرف جاری رہتا ہے اور نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستے سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا، جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاقار،

مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لیے اور اخلاق کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لیے نہیں نکل سکتا میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا۔ جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت دی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کے صحیفہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور وہ ان کا عادی تھا۔

لیلۃ القدر:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! لیلۃ القدر کے بارے میں کچھ بتائیے؟

☆.....استاد: جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر ویشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسروں دونوں میں نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیر شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کر کس لیتے اور شب بیداری

کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

مطلوب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے یعنی ایکسیوں یا تنسیوں یا پچسیوں یا ستائیسیوں یا اٹھیسیوں شب۔

شب قدر کی اگر اس طرح تعین کردی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مزید نشاندہی کی طور پر فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے اس کا زیادہ امکان ہے، لہذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؐ سے بھی مروی ہیں اور بعض صحابہ کرامؐ کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان کی ستائیسیوں ہی ہوتی ہے۔

زرا بن حمیشؓ جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہوگا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ التقدیر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اسے چاہیے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پاسکے گا۔ زرا بن حمیشؓ نے حضرت ابی بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک ہی رات کی عبادت پر) قناعت نہ کر لیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے اٹھیسویں یا تیسیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انہوں نے پوری قطیعت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین واطمینان کے اظہار کے لیے قسم کے ساتھ) انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا (زرا بن حمیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے ابو المندر! یہ حضرت ابی کی کنیت ہے) ایہ آپ کس بناء پر فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا

کہ میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہتا ہوں جس کی رسول ﷺ نے ہم کو خبردی تھی اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابی بن کعبؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قطیعت کے ساتھ یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور پر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انہوں نے رسول ﷺ سے نہیں سنی تھی، بلکہ رسول ﷺ نے اس کی جو ایک خاص نشانی بتائی تھی، انہوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لیے یقین کے ساتھ انہوں نے رائے قائم کر لی تھی۔

رسول ﷺ نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کبھی عشرہ اخیر کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لیے فرمایا کسی خاص رات کی تعین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب اور اکا کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔

اس عدم تعین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

شب قدر کی خاص دعا:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! شب قدر کی رات کوئی دعا مانگنی چاہیے؟
☆.....استاد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں

نے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کونی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا، یہ عرض کرو: **”اللَّهُمَّ إِنِّي عَفْوٌ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي“**

اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور بڑا کرم فرمा ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ پس تو میری خطاں میں معاف فرمادے۔ (مند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

اس حدیث کی بناء پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں اور رمضان المبارک کی راتوں میں اور ان میں بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا ماہ شوال میں بھی روزے رکھنے چاہئیں؟
 ☆.....استاد: حضرت ابوالیوب النصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۲۳ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنة بعشر امثالها"

(ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجوہ ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

هر مہینہ میں تین نفلی روزے:

○ شاگرد: استاد محترم! نفلی روزوں کے بارے کچھ بتائیے؟

☆..... استاد: حضرت خصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں چھوڑتے تھے: (۱) عاشورہ کا روزہ (۲) عشراہ ذی الحجه (یعنی کیم ذی الحجه سے یوم الحرف نویں ذی الحجه تک) کے کے روزے (۳) ہر مہینے کے تین روزے (۴) قبل فجر کی دو رکعتیں۔ (سنن نسائی) مطلب یہ ہے کہ یہ چار چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ : کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا :.....ہاں! آپ ﷺ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا کہ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں) میں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ : اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس

حصے میں رکھیں۔ (صحیح مسلم)

بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں روزے رکھنے کا حضور ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کا مستقل معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کو جہاد کے لئے سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی ممکن نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا امت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعث مشکل ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اسی طرح کی مصلحتوں کے باعث آپ ﷺ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ ﷺ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابہ کرامؐ کو آپ ﷺ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے۔

ایام بیض کے روزے:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! ایام بیض کے روزے کون سے ہیں؟

☆.....استاد: حضرت قادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ : اے ابو ذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کے روزے رکھا کرو۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔

ان دو حدیثوں سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ الحسنة بعشرا مثالاً کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہو گا۔ (یعنی ہر روزے پر دس روزوں کا ثواب ملے گا، اس لحاظ سے مہینے میں تین روزے رکھنے والے کو تیس روزوں کا ثواب ملے گا۔ اور اگر ہر مہینے تین روزے رکھے جائیں تو اس حساب سے پورا سال روزے رکھنے کا ثواب ملے گا) اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ روزے تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو رکھے جائیں۔

تیری یہ بات معلوم ہوئی کہ خود رسول ﷺ ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! عاشورہ کے روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
 ☆.....استاد: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ کا (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ : ہمارے ہاں یہ بدی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موئی (علیہ السلام) اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے شکر کو غرقاب کیا تھا تو موئی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں ... رسول ﷺ نے فرمایا کہ : اللہ کے پیغمبر موئی (علیہ السلام) سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول ﷺ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر ہی عاشورہ کا

روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول ﷺ بھی ہجرت سے پہلے یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ ﷺ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قوی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی

ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؐ کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں اور اس لیے اس نے فیصلے پر عمل در آمد حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں نہیں ہوسکا لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیے... چنانچہ اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کا روزہ رکھنے کا آپ ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم کے کو رکھا کریں گے اور دوسری یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل میں فرق ہو جائے گا... اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

عشرہ ذوالحجہ کے نفلی روزے:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! عشرہ ذوالحجہ کے روزوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

☆.....استاد: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ (جامع ترمذی)
اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرہ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد یہم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو قادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابو قادہؓ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان ہر مہینہ کے تین نفلی روزے پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں یہ مضمون بھی قریبِ قریب اُنہی الفاظ میں آچکا ہے اور

وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لیے نہیں ہے جو اداء حج کے لیے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لیے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے... اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جا چکی ہے۔

بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو، جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے۔ اس میں شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے نا آشنا ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات "ليلة القدر" کو اس نے "خير من الف شهر" ہزار مہینوں یعنی قربیا تمیں ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کریمی ہے... الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مومن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرہویں شعبان کا روزہ:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! پندرہویں شعبان کے روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

☆.....استاد: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی بتلانے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ تعالیٰ پکارتے ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

اس حدیث کی بناء پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے۔ اس کے ایک راوی ابوکبر بن عبد اللہ کے متعلق انہے جرح و تعديل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابل اعتماد ہو، مگر

چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہے اس لیے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے:

۵.....شاگرد: استادِ محترم! خاص دنوں میں نفلی روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

☆.....استاد: جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لیے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول ﷺ کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: پیر کو اور جمرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہوتی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں۔ (جامع ترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ پیر اور جمرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی) حضرت ابو قحافةؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ (صحیح مسلم)

مطلوب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن

ہے، اسی دن میں تمہارے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں اور دوسرا محرم اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ ﷺ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لیے نعمت اور رحمت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر ویژت آپ ﷺ کا روزہ ہوتا تھا لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نظری روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لیے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لیے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن

کو روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو، الایہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (صحیح مسلم)

جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سامانہ ہونے لگے، اس لیے رسول اکرم ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی... اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینہ میں متگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

حضرت عائشہؓ کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لیے آپ ﷺ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ ﷺ نے کبھی ہفتہ کے پہلے تین دنوں ہفتہ، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں متگل، بدھ اور

جعراٹ کا...

گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے۔ آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑھائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! وہ دن کون سے ہیں جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے؟

☆.....استاد: سال میں مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اور اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض اوقات میں (مثلاً طلوع وغروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا، یہ بات حاکم مطلق کی شان حاکیت کے عین مطابق ہے اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمابنداری ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا، یوم الفطر کے روزے اور قربانی کے دن روزہ رکھنے سے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔ (صحیح مسلم)

ابو عبید مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمرؓ کی اقداء میں پڑھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول ﷺ نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمہارے فطر کا دن ہے اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت نبی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجه) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم الآخر کے دونوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے اور حضرت عمرؓ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد فطر کا دن یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لیے اس دن روزہ رکھنے میں منشاء الہی کی مخالفت ہے اور یوم الآخر کا روزہ اس لیے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے درکے نقیر بن کر شکر کر کے ساتھ کھائیں اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا

متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے اور چونکہ ذی الحجه کی گیارہویں اور بارہویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لیے ان کا حکم بھی یہی ہے... اور نیشہ نہیں کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجه بھی شامل ہے، ۱۰ ذی الحجه سے ۱۳ ذی الحجه تک پانچویں دن روزہ رکھنا منوع قرار دیا گیا ہے اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوگا۔

نفلی روزہ توڑا بھی جاسکتا ہے:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا نفلی روزہ توڑا بھی جاسکتا ہے؟

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والے کو اگر کوئی عذر لاحق ہو جائے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گناہگار بھی نہیں ہوگا... رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتالیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا، کیا تمہارے ہاں کھانے کے لیے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں... پھر ایک اور دن آپ ﷺ نے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں حسیں (خرا) اور مکعن (ملیدہ) ہدیہ

آیا ہے، اس کو نوش فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، دکھاؤ، ہم نے آج روزے کی نیت کی تھی... پھر آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتیں ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے اور دوسرا یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے... اگلی حدیشوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ قبح کہے بعد (جب کہ رسول ﷺ کے معظمه میں تشریف فرماتھے) حضرت فاطمہؓ آئیں اور رسول ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام ہانیؓ آپ ﷺ کے وابی جانب تھیں کہ ایک بچی آپ ﷺ کے پینے کے لیے کوئی مشروب لے آئی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر ام ہانیؓ کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا، یا رسول ﷺ! میں روزے سے تھی اور میں نے یہ پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر نفلی تھا تو پھر کچھ مضاائقہ نہیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

اس حدیث میں تصریح ہے نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی

گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں : الصائم المتطوع امیر نفسه ان شاء صام و ان شاء افطر (یعنی نفل روزہ رکھنے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں... آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا حکم بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اور خصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کا ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس کو کھالیا۔ پھر خصہؓ نے رسول ﷺ سے عرض کیا : یا رسول ﷺ ! ہم دونوں روزے سے تھے ، ہمارے سامنے کھانا آیا جس کو کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا)۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہؓ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے اور امام شافعیؓ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! روزے کا صلہ اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟

☆.....استاد: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون اللہ یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر الگی امتون کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنے کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا تو رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :روزہ اس عام قانون سے مستثنی اور بالاتر ہے، وہ بندوں کی طرف سے خاص میرے لیے ایک تحفہ ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثاب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں: ایک اظفار کے وقت اور دوسرا اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرف باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بواللہ کے نزدیک مشک کی خوبی سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لیے مشک کی خوبی

جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ (دنیا میں شیطان نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لیے ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہوتا چاہیے کہ وہ بے ہودہ شخص باتیں نہ کے اور شور و شغب نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا مٹنا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریع ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی کا روزہ ہوتا ہے شخص اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے لٹکھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ بھائی میرا روزہ ہے۔ اس آخر ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلیتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کرے گا۔ ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھ لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد سعیدیؑ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ

ہے، جس کو ”باب الريان“ کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لیے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے؟ وہ اس پکار پر چل پڑیں گے۔ اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لیے اس کو جو صلحہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہیے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لیے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاطر صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں ”پورا پورا اسیراب“ یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جس کا ارشاد ہے کہ: ”الصوم لی وانا اجزی بہ“ بندہ کا روزہ بس میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کا صلحہ دوں گا۔

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

عرض کیا کہ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے، جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے۔ مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے۔ پس حضرت ابو امامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے، اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہیے۔ نیز ملاحظہ رہنا چاہیے کہ ابوامامہ کے خاص حالات میں ان کے لیے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لیے رسول ﷺ نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ مجھے کسی عمل کا حکیم فرمائیے جس کو میں کیا کروں تو دونوں دفعہ آپ ﷺ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔

یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔
 شریعت کے احکام کی اصل بنیاد تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا ہے اور یہی فلسفہ ہے اور حکمت روزہ میں بھی ہے لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں چہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کے حکم کی تقلیل ہوتی ہے وہاں ساتھ ساتھ ہے شمار دوسرے دنیاوی اور آخری فوائد اور حکمتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جن کا صحیح طرح سے ہم لوگ احاطہ بھی نہیں کر سکتے مگر کچھ حکمتیں شریعت کی بے پناہ مہربانیوں کی وجہ سے بندوں کو اعمال کی طرف راغب کرنے کے لیے بتلادی جاتی ہیں اور کچھ حکمتیں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر روزہ کی کچھ حکمتیں یہ بیان کی گئی ہیں۔

☆ روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بڑی پیچان اور نشانی ہے جیسے کوئی شخص کسی کی محبت میں مست اور سرشار ہو کر کھانا، پینا اور میاں بیوی والے خصوصی تعلقات چھوڑ دیتا ہے اسی طرح روزہ دار اللہ جل شانہ کی محبت میں گم ہو کر اسی حالت کا اظہار اور ترجمانی کرتا ہے اور اسی وجہ سے غیراللہ کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں۔

☆ روزہ دار کی نفسانی خواہشات کمزور اور مست ہو جاتی ہیں (جس کے نتیجہ میں گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے)۔

☆ روزے سے انسان میں اللہ کا خوف و خشیت اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے (جس کے نتیجہ میں گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے)

☆ روزے کی وجہ سے روحانی قوت اور طاقت میں اضافہ

ہوتا ہے (جس کے نتیجے میں مادی تقاضے کمزور اور روحانیت میں ترقی ہوتی ہے)

☆ روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا تقاضا پیدا ہوتا ہے اور نعمتوں کی قدر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

☆ روزہ رکھنے سے اپنی عاجزی، مسکنت اور اپنے محتاج ہونے کا خیال ترقی پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور قدرت و بے نیازی پر نظر جاتی ہے۔

☆ انسانی ہمدردی اور مسکینوں پر رحم اور ان کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

☆ جانوروں اور حیوانوں کی خصلتوں سے نجات ہوتی ہے اور اشرف الخلوقات کی صفات حاصل ہوتی ہیں۔

☆ روزہ رکھ کر فرشتوں کی مشابہت اور ان کے قرب کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

☆ جسمانی بیماریوں خاص کر معدے کے امراض اور بلغمی بیماریوں کے لیے روزہ بے حد مفید ہے۔

☆ روزہ رکھنے سے انسان کی بصیرت کھلتی ہے اور دوراندیشی و باریک بینی کا خیال ترقی پذیر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بہت سی مخلوق کے حقائق اور ان کے راز بھی کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔

☆ روزہ کے ذریعہ سے بری اور غلط عادات (مثلاً سگریٹ نوشی، مشیات وغیرہ) سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆ خاص طور پر رمضان کا روزہ اسلامی برادری میں مساوات کا سبب بنتا ہے کیونکہ امیر اور غریب باوجود ایک دوسرے سے مال و

دولت میں کم زیادہ ہونے کے روزہ میں ایک ساتھ مل کر ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے مساوی ہو جاتے ہیں اور مال و دولت کا عارضی امتیاز درمیان میں حائل نہیں رہتا۔

☆ روزہ دار کو ایک ایسا ایمانی جوہر اور ایسی توانائی حاصل ہوتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی معاشرے کی اصلاح کا سبب بنتی ہے کیونکہ روزہ دار کے دل میں کسی کی حق تلقی، عداوت، بعض، دشمنی، بے حیائی، غیبت، چغل خوری وغیرہ کے خیالات کم پیدا ہوتے ہیں۔

☆ روزہ کی وجہ سے بھی نوع انسان میں صبر و تحمل کا مزاج پیدا ہوتا ہے اور بے صبری سے پچنا آسان ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے روزے کے دنیوی و اخروی فائدے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں تب حاصل ہو سکتی ہیں کہ روزہ رکھنے والا خود بھی ان کے حاصل کرنے کا ارادہ رکھے اور روزے میں اُن تمام بتوں کا لحاظ رہے جن کی ہدایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی یعنی کھانے پینے کے علاوہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پرہیز کرے نہ جھوٹ بولے، نہ غیبت کرے، نہ کسی سے لڑے جھگڑے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:::.....

”جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو چاہیے کہ کوئی گندی اور رُدی بات اُس کی زبان سے نہ نکلے اور وہ شور و شغب بھی نہ کرے اور کوئی آدمی اُس سے جھگڑا کرے اور اُس کو گالیاں دے تو اُس سے بس یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (اس لئے تمہاری گالیوں کے جواب میں بھی گالی نہیں دے سکتا)۔“ ایک اور

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جو شخص روزے میں بھی غلط گوئی اور غلط کاری نہ چھوڑے، تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اُس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت اور کوئی پرواہ نہیں۔“

الغرض! روزے کے اثر سے روح میں پاکیزگی اور تقویٰ پر ہیز گاری کی صفت اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی طاقت تب ہی پیدا ہو گی جبکہ ہو کھانے پینے کی طرح دوسرے تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پر ہیز کیا جائے اور خاص کر جھوٹ، غیبت اور گالی گلوچ وغیرہ سے زبان کی حفاظت کی جائے..... اگر اس طرح کے مکمل روزے رکھے جائیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا اور ایسے روزے آدمی کو فرشتہ صفت بنا سکتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ روزے کی حقیقت اور اس کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اس کے ذریعہ اپنے اندر تقویٰ اور پر ہیز گاری کی صفات پیدا کریں۔

حج کی فرضیت اور اس کی برکتیں

۵.....شاگرد: استاد محترم! اسلام کا آخری رکن کون سا ہے؟

☆.....استاد: اسلام کے ارکان میں سے آخری رکن "حج" ہے۔ قرآن شریف میں حج کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا:.....

وَلَلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا طَوَّمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ
اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

"اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کیلئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔" (سورہ آل عمران، آسان ترجمہ قرآن، از: مفتی تقی عثمانی صاحب) اس آیت میں حج کے فرض ہونے کا اعلان بھی فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتالا یا گیا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی طاقت اور حیثیت رکھتے ہوں۔ اور آیت کے آخری حصے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حج کرنے کی استطاعت اور طاقت دی ہو اور وہ ناشکری سے حج نہ کریں (جیسے کہ آج کل کے بہت سے مالدار نہیں کرتے) تو اللہ تعالیٰ جل شانہ سب سے بے نیاز اور بے پروا ہے، اس لئے ان کے حج نہ کرنے سے اُس کا تو کچھ نہیں بگزے گا البتہ اس ناشکری اور کفرانِ نعمت کی وجہ سے یہ ناشکرے بندے خود ہی اُس کی رحمت سے محروم رہ جائیں گے اور اُن کا انجام خدا نخواستہ بہت بُرا ہو گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا : اے لوگو ! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو... ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول ﷺ ! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دہرایا، تو آپ ﷺ نے (نگواری کے ساتھ) فرمایا کہ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ ہاں ! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا تو اسی طرح فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے... اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تو بمحض سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو... تم سے پہلی امتلوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے... لہذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعقیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

مطلوب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے جس حد تک تم سے تعقیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جوکی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی

کی امید ہے۔

رسول اللہ !صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ:.....
”جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ اتنا دیا ہو کہ وہ حج کر سکے لیکن
اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو کوئی پروا نہیں ہے کہ خواہ وہ
یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی سخت وعید ہے جو
حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا
ہے کہ ان کا اس حال میں مرتا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا گویا
برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اس طرح کی وعید ہے جس طرح ترک
نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے... قرآن مجید میں بھی
ارشاد ہے:.....

”اقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“
جس سے معلوم ہوتا کہ ترک صلوٰۃ مشرکوں والا عمل
ہے۔ (الروم، ۳۰، ۳۱) موبہرہ کوریچ (چوال)

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین
کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تقسیمہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ
کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا
کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے ترک نماز کو
مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

حج کی طرز کی ایک دوسری عبادت اور بھی ہے یعنی عمرہ جو کہ
سنن مؤکدہ ہے جس کی حقیقت حج ہی کے بعض عاشقانہ افعال ہیں
اس لیے اس کا لقب حج اصغر ہے۔ (طیوة اُمسلمین)

رسول اللہ !صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ:
 کہ حج اور عمرہ کے لیے جانے والے اللہ تعالیٰ کے خصوصی
 مہمان ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تبارک و تعالیٰ قبول فرماتا
 ہے اور مغفرت طلب کریں تو بخش دیتا ہے۔ (سنن نسائی، جامع ترمذی)
 رسول اللہ !صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد
 ہے کہ:.....

اللہ تعالیٰ ہر روز اپنے حاجی بندوں کے لیے ایک سو بیس
 حمتیں نازل فرماتا ہے جس میں ساٹھ حمتیں ان کے لیے ہوتی
 ہیں جو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، چالیس ان کے لیے جو وہاں
 نماز پڑھتے ہیں اور میں ان لوگوں کے لیے جو صرف کعبے کو دیکھتے
 رہتے ہیں۔ (بیہقی)

رسول اللہ !صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:.....
 ”جس نے پچھاں بار بیت اللہ کا طواف کر لیا وہ اپنے
 گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسے اس کی ماں نے اُس کو آج ہی
 جنم دیا ہو۔ (جامع ترمذی)

○ شاگرد: استاد محترم! حج کس شخص پر ضروری ہے؟
 ☆..... استاد: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص
 رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ کیا
 چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سامان سفر
 اور سواری۔ (جامع ترمذی، سنن ابی ماجد)

قرآن مجید میں فرضیت حج کی شرط کے طور پر ”من
 استطاع اليه سبیلا“ فرمایا گیا ہے، یعنی حج ان لوگوں پر فرض ہے

جو سفر کر کے مکہ معظمه تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں... اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس کی استطاعت کا مستعین معیار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک تو سواری کا انتظام ہو جس میں مکہ معظمه تک سفر کیا جاسکے اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لیے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزرنے کے لیے کافی ہو... فقہائے کرام نے اس گزارے میں ان لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہو گا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جتنا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

○.....شاگرد: استادِ محترم! کیا صاحبِ نصاب پر حج فرض ہو جاتا ہے؟
 ☆.....استاد: اس سے حج فرض نہیں ہو تا بلکہ حج اُس شخص پر فرض ہے جس کے پاس حج کا سفر خرچ بھی ہو اور غیر حاضری میں اہل و عیال کا خرچ بھی ہو۔ (مکملۃ ص ۲۲۲)

○.....شاگرد: استادِ محترم! حج واجب ہونے کی شرائط کیا ہیں؟
 ☆.....استاد: مسلمان ہونا۔☆.....حج کی فرضیت کا علم ہونا۔☆.....عاقل ہونا۔☆.....بالغ ہونا۔☆.....آزاد ہونا۔☆.....استطاعت وقدرت ہو نا۔☆.....حج کا وقت ہونا۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن کے پائے جانے

سے حج فرض ہو جاتا ہے اور ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج فرض نہیں ہوتا۔

جس عاقل بالغ پینا مسلمان کے پاس اپنی ضروریات سے زندگی مال ہو کہ مکہ معظمہ سواری پر درمیانی طریقہ سے کھاتا پیتا چلا جائے اور حج کر کے چلا آئے اور گھر پر اپنی بیوی اور نابالغ اولاد کے لیے لوٹنے تک کھانے پینے کا سامان چھوڑ جائے اور راستہ میں امن و امان ہوتب حج فرض ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلا پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے اور راہ جہاد کرنے والے کے لیے مقرر ہے۔ (شعب الایمان للیہیقی)

اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

”اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے پھر آجائے اس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر و ثواب اس بندہ کے لیے مقرر ہو

جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا تقاضا ہے۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! حج کے فرائض کیا ہیں؟

☆.....استاد: حج کے تین فرائض ہیں:

(۱).....احرام یعنی حج کی دل سے نیت کرنا اور تلبیہ یعنی لبیک
کے کلمات کہنا

(۲).....وقوف عرفات یعنی ۹ ذی الحجه کو زوال آنفتاب کے
وقت سے ۰۴ ذی الحجه کی صبح صادق تک عرفات میں کسی وقت ٹھہرنا
اگرچہ ایک لمحہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

(۳).....طواف زیارت جو دسویں ذی الحجه کی صبح سے لے کر
بارہویں ذی الحجه تک سر کے بال منڈوانے یا کتروانے کے بعد کیا
جاتا ہے۔

ان تینوں فرضوں میں سے اگر کوئی چیز چھوٹ جائے تو حج
صحیح نہیں ہوتا اور اس کی تلافی دم یعنی قربانی وغیرہ سے بھی نہیں ہو
سکتی۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! حج کے واجبات کیا ہیں؟

☆.....استاد: مزدلفہ میں وقوف کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد ٹھہرنا
اگرچہ ایک گھنٹی ہو اگر راستہ چلتے بھی اس وقت میں مزدلفہ سے
گزر جائے تو وقوف ہو جائے گا۔

☆.....صفا و مرودہ کے درمیان سعی کرنا۔

☆.....رمی جمار یعنی کنکریاں مارنا۔

☆.....قرآن اور تبتغ اور قرآن کے شکرانے کا دم دینا۔

☆.....حلق یعنی سر کے بال منڈوانا یا تقصیر یعنی ایک پورے

کے بقدر بال کرنا۔

☆.....آفاقتی یعنی میقات سے باہر رہنے والے کو طواف وداع کرنا۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! حج کے واجبات کا حکم کیا ہے؟

☆.....استاد: یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی چھوٹ جائے گا حج تو ہو جائے گا خواہ قصداً چھوڑا ہو یا بھول کر لیکن اس کی جزا لازم ہو گی البتہ اگر کوئی فعل کسی معتبر عذر کی وجہ سے چھوٹ گیا تو جزا لازم نہیں آئے گی۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! حج کے اركان کیا ہیں؟

☆.....استاد: حج کے دو رکن ہیں: (۱).....طواف زیارت۔ (۲).....وقوف عرف۔ مزید تفصیل معلم الحجاج میں دیکھ لی جائے۔

○.....شاگرد: استادِ محترم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے حج کیے تھے؟

☆.....استاد: ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو حج کئے تھے اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کئے تھے لیکن یہ سب روایتیں مرسلاں ہیں مدینہ کے زمانہ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا جسے جمیع الوداع کہتے ہیں۔

حج کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرے بھی ادا کئے ہیں ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں ایک عمرہ ذیقعده کے میانے میں ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوہ حنین کے بعد اور چوتھا جتنے الوداع کے ساتھ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جتنے الوداع

عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذیقده کے مہینے میں ادا کئے۔

حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ ادا کرنے کیلئے روانہ ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی مدافعت میں ان سے پھر گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق شوق تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہیوں کا انتظار کئے بغیر بے خطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آگے بڑھتے چلے چاہیے تھے آخر جانشوروں نے ابو قادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا توقف فرمائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان حائل نہ ہو جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکی درخواست منظور فرمائی۔

۵.....شاگرد: استادِ محترم! حج کے اور کیا کیا فائدے ہیں؟

☆.....استادِ حج کی برکت سے گناہوں کی معافی اور جنت کی نعمتیں جو حاصل ہوتی ہیں وہ توانشاء اللہ پوری طرح آخرت میں ملیں گی لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ اور اُس کے انوار کے خاص مرکز بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اور مکہ معظمہ کے اُن خاص مقامات پر پہنچ کر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اور ہمارے نبی و رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص یا دگاریں اب تک موجود ہیں۔ ایمان والوں کو جو لذت اور

دولت حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس دنیا میں جنت ہی کی نعمت ہے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضۃ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد شریف میں نمازیں پڑھنا اور براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا، طیبہ کی گلیوں میں اور وہاں کے جنگلوں میں پھرنا، وہاں کی ہواں میں سانس لیتا اور وہاں کی مقدس زمین میں اور ہوا میں بسی خوشبو سے دماغ کا معطر ہونا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کر کے شوق و محبت میں خوش ہونا، کبھی ہنسنا اور کبھی روپڑنا یہ وہ لذتیں، برکتیں اور فائدے ہیں جو حج کرنے والوں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہنچ کر نقد حاصل ہوتی ہیں، بشرطیکہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کو اس قابل بنادے کہ وہ ان لذتوں کو محسوس کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: موہرہ کو چشم (چوال) اک پیش

”جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لیے کہو، کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لیے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔ (”مند احمد)

اب تک جن پانچ بنیادی تعلیمات کا یہاں تک بیان ہوا
یعنی:.....(۱).....کلمہ۔(۲).....نماز۔(۳).....زکوٰۃ۔(۴).....روزہ۔(۵)
یہ پانچوں اركانِ اسلام کہے جاتے ہیں۔

ان پانچ چیزوں کا ارکانِ اسلام اور بنیادِ اسلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی فرائض ہیں اور ان پر اچھی طرح عمل کرنے سے اسلام کے باقی احکام پر عمل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

لہذا مسلمان کی تعریف یہ ہوئی کہ:.....آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے لائے ہوئے پورے دین کو مانتے والا مسلمان ہو، وینِ اسلام کے وہ امور جن کا دین میں داخل ہو نا قطعی تواتر سے ثابت ہوا اور عام و خاص کو معلوم ہو، ان کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں ان ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا انکار یا تاویل کرنے والا کافر ہے۔

○ شاگرد: استادِ محترم! کیا جس مسلمان سے صدقی دل سے کلمہ پڑھا ہو، رسالت وغیرہ پر ایمان ہو مگر زندگی میں قصداً کئی نمازیں اور فرائضِ اسلام ترک کیے ہوئے ہوں تو ایسا مسلمان اپنی کیے کی سزا بھگت کر جنت میں جائے گایا ہمیشہ دوزخ کا ایندھن بنارہے گا؟

☆.....استاد: نماز چھوڑنا اور دیگر احکامِ اسلام کو چھوڑنا سخت گناہ اور معصیت ہے، احادیث میں نماز چھوڑنے والے کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں اور ان احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور آخرت میں عذاب میں بیٹلا ہونے کا اندریشہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر ایسے بد عمل شخص کا عقیدہ صحیح ہو، تو حید و رسالت پر قائم ہو، ضروریاتِ دین کو مانتا ہو وہ آخر کار جنت میں جائے گا، خواہ سزا سے پہلے یا سزا پانے کے بعد۔ (شرح فقہ اکبر ص ۹۲)

لیکن اگر کسی کا عقیدہ ہی خراب ہو، کفر و شرک میں بیٹلا ہو، یا

ضروریاتِ دین کا انکار صریح بلا تاویل کرے تو ایسے شخص کی نجات کبھی نہ ہو گی، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا، کبھی اس کو دوزخ کے عذاب سے رہائی نہ ملے گی۔ (مشکلۃ حج اص ۲۰۶)

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کا کوئی مذہبی یا اخلاقی قانون اتنا مکمل ایسا جامع اور اس قدر مفید نہیں جیسے اسلام کے اركان ہیں۔ انسان کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لیے جس قدر باقی ضروری تھیں وہ سب ان پانچ اركان میں جمع کردی گئی ہیں ان پر سچے دل سے عمل کر کے انسان دین و دنیا کی بھلائی اور بہتری حاصل کر سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی بلندی پر پہنچا دینا ہی اسلام کا اصل مقصد ہے اور اس بلندی پر ہم اسی وقت پہنچ سکتے ہیں جب صمیم قلب کے ساتھ ان اركان کو تسلیم کر لیں اور ان پر عمل بھی کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اركانِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (تفصیلی مسائل فقه کی معنبر کتابوں میں دیکھے جائیں یا علمائے کرام سے دریافت کیے جائیں)۔

اسلام میں عملی خوبیوں کی اہمیت

۵۔ شاگرد: استاد محترم! اسلام میں عملی خوبیوں کی اہمیت کیا ہے؟

☆☆☆..... استاد: وہ دین جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند کیا ہے اور جس کی تبلیغ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ برس تک بڑے زور شور سے کی، سرتاپا ایک عملی مذہب ہے اور صرف باتوں اور قصوں تک محدود نہیں۔

اسلام کے نہایت ضروری اور بنیادی اركان جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ بنیادی یا تیس خاص عمل سے تعلق رکھتی ہیں اور عمل بھی وہ جو نہایت تصرع وزاری اور خشوع و خضوع سے محفوظ خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے نہ کہ دکھاوے اور رسم کے طور پر۔ ان بنیادی اركان میں سے ہر رکن ایسا ہے کہ اگر اسے محفوظ رسمًا ادا کیا جائے تو ہرگز ان کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ان کی کوئی وقعت ہے۔ بلکہ رسی عمل جس میں اخلاص نہ ہو خدا تعالیٰ کے غصہ اور ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ان نماز پڑھنے والوں کے لیے دوزخ کا گڑھا تیار ہے جو اپنی نمازوں سے بے پروا ہیں اور ان کو محفوظ دکھاوے کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ طاعات و عبادات کی قبولیت کیلئے نیت کا نیک ہونا شرط ہے اسی طرح ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کیلئے بھی حسن نیت اور اخلاص ضروری ہے، عبادت سے صرف مقصد رائے الہی ہونی چاہئے اگر اس میں ریا کاری شامل ہو جائے تو عبادت گناہ بن جاتی ہے

الغرض اللہ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی رضا الہی کیلئے کیا گیا ہو دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

اسلام چونکہ خالص عملی مذہب ہے لہذا جو لوگ اسے مانتے ہیں اور اس کے پیرو ہیں ان کو بھی وہ عملی آدمی بنانا چاہتا ہے۔ بلاشبہ عربی کا یہ فقرہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ”کُنْ يَدَا وَلَا تَكُنْ لِسَانًا“۔ یعنی ہاتھ بتو زبان نہ بنو۔ مطلب یہ ہے کہ صرف باتیں نہ بناؤ اور جو کچھ تم دکھانا چاہتے ہو عملی حیثیت سے کر کے دکھاؤ۔

جو آدمی محض باتیں بناتے ہیں اور عملی کام کچھ نہیں کرتے ان کا دنیا میں ہونا نہ ہو نایکساں ہے وہ دنیا میں کسی قسم کی کوئی ترقی حاصل نہیں کر سکتے، نہ کوئی علم اور ہنر سیکھ سکتے ہیں اور نہ دنیا کے لیے مفید وجود بن سکتے ہیں ان کی ساری زندگی تکلیف اور مصیبت میں بسر ہوتی ہے، افلas اور غربت ان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتی۔ وہ اپنوں کی نظروں میں ذلیل اور غیروں کی نظر میں حقیر ہو جاتے ہیں اور اسی ذلت و غربت کی حالت میں بڑی حرست و بے کسی کے ساتھ جان دے دیتے ہیں۔ ہاں عمل کے نام سے ہمیں توهہات باطلہ اور واهیات رسوم میں بتلا نہیں ہو نا چاہیے اور صرف ان حکموں اور ارشادات پر چلنا چاہیے جس کی تعلیم خدا تعالیٰ جل شانہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ اگر ہم توهہات اور رسوم کی پیروی کریں گے تو ایسی فضول باتوں میں بتلا ہو جائیں گے جن کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

ایمان کی بنیادی باتیں

۵.....شاگرد : استاد محترم! ایمان والے کون ہیں؟ اور ایمان نہ لانے والے کون ہیں؟

☆.....قرآن کریم دنیا کے سارے انسانوں کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے :

(۱).....ایمان والے (یعنی مومن)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا أُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُ

البریة ۰

”جو لوگ ایمان لائے ہیں ، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ، وہ بیشک ساری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں ۔“ (سورہ البینہ) یعنی خلق خدا کا بہترین سرمایہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کو پیچان کر اُس پر ایمان لائے ہیں ۔

(۲) ایمان نہ لانے والے (یعنی کافر اور منکر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَا تُوَلُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَلِدِينَ فِيهَا حَلَقَةٌ لَا يُنَخْفَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنَظَّرُونَ ۝

”بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے ۔ وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مهلت دی جائے گی

(سورہ البقرہ)

زندگی ایک بار ملتی ہے اب آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایمان لا کر اس زندگی کو خدا تعالیٰ کی وفاداری اور اطاعت میں بسر کرے، یا کا فر بن کر کفر و معصیت میں گزار دے۔ وہ کافر جس نے کافرانہ زندگی گزاری اور کافر ہی مرا، وہ دنیا کی نظر میں کیسا ہی کامیاب ہو، قرآن کی نظر میں وہ تباہ حال ہے، انتہائی ناکام و نامراد ہے، اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام ہی انسانوں کی لعنت ہے۔ پھر وہ اس لعنت سے کبھی نہ نکل سکے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے، جس میں کبھی تخفیف نہ ہو گی اور نہ پھر موت کے بعد کوئی دوسری مہلت ہے جس میں ایمان لا کر وہ اس عذاب اور لعنت سے نجات حاصل کر سکے گا۔

.....شاگرد! استاد محترم! ایمان کی بنیادی باتیں کیا ہیں؟ اور اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے؟ ..

☆.....استاد: اسلام نام ہے عمل کا اور ایمان نام ہے عقیدہ کا۔ اور ایمان کی چھ باتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل ارشاد فرمائیں:

عَنْ عَمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْأَيْمَانُ أَنَّ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَلَكَتَهُ وَكُتُبِهِ وَرَسُولِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِهِ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اُس کے فرشتوں پر، اُس کی (نازل کی) ہوئی

سب) کتابوں پر، اُس کے (تمام) رسولوں پر، یوم آخرت (کی جزا و مزا) پر اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لائے (دل اور زبان دونوں سے)۔

پہلی شرط ایمان بالله:.....

○ شاگرد: استاد محترم! ایمان کی پہلی شرط کیا ہے؟

☆..... استاد: اسلام اور ایمان کی بنیادی باتوں میں پہلی شرط یعنی اللہ پر ایمان مشترک ہے کیونکہ خدائے واحد پر ایمان عمل کی بنیاد بننے کے لیے ضروری چیز ہے۔ خدائے واحد کی ذات اقدس واعلیٰ پر دل و زبان کی گواہی وہ حد فاصل ہے جو مومن کو مشرک سے، کافر کو مسلمان سے، ایمان کو دہریے سے اور عناصر پرست کو خدائے واحد کے پرستار سے جدا کرتی ہے۔

وہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اس جیسا کوئی نہیں وہ سب سے نرالا ہے سب اچھی اچھی باتیں اور خوبیاں اس میں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اس کی کوئی خوبی کبھی جانہیں سکتی اس میں کوئی برائی اور عیب نہیں وہ سب عیوب سے پاک ہے۔ ایک مسلمان اگر تھوڑا سا غور و فکر کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی واحدانیت کے بے شمار دلائل نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک ایسی روشن اور کھلی ہوئی حقیقت ہے جو کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے اور اس غور و فکر سے اس کے علم کو پختگی حاصل ہو گی۔ اور اس کا یقین بڑھ جائے گا کہ باری تعالیٰ اپنی ربوبیت و الوہیت میں کیتا و لاثانی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

○ ﴿فَلْهُوَ اللَّهُ أَحَد﴾ ☆.....

آپ فرمادیجھے کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے۔

○.....شاگرد: استاد محترم! اللہ تعالیٰ کی صفات کیا کیا ہیں؟

☆.....استاد: اللہ تعالیٰ ہی تمام اعلیٰ ترین صفات کا مالک، قوت و اقتدار کا منبع اور جمال و کمال کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلِلّهِ الْمَثُلُ الْأَعْلَى طَوْهُ الرَّعِيزُ الْحَكِيمُ

”اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ کی ہیں، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔“

وَلِلّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَإِذْ عُوْدَهُ بِهَا.

”اور اسمائے حسنی (اچھے اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں۔ لہذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو۔“

○.....شاگرد: استاد محترم! اللہ تعالیٰ کے کمالات اور تخلیقی کارمانے کیا ہیں؟

☆.....استاد: اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب تخلیقی کارنانے، غیر محدود قدرت و حکمت کے کرشمے اور بے پایاں کمالات و عجائب کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ أَنَّ مَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُدُهُ مِنْ مَبْعِدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَتُ اللَّهِ طَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ“ حَكِيمٌ

”اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی

اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔“

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً
وَ صَوَرَكُمْ فَأَخْسَنَ صُورَكُمْ وَ رَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ طَذْلِكُمُ اللَّهُ
رَبُّكُمْ حَفَّتْرَبَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۵

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنایا ، اور آسمان کو ایک گنبد ، اور تمہاری صورت گری کی ، اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا ، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا کیا - وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے - غرض بڑی برکت والا ہے اللہ ، سارے جہانوں کا پروردگار !

ایمان کی دوسری شرط ایمان بالصلائکہ:.....

۵ شاگرد: استاد محترم! ایمان کی دوسری شرط کیا ہے؟

☆..... استاد ایمان کی دوسری شرط خدا تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لا نا ہے جو بندوں کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ کا پیغام خدا تعالیٰ کے رسولوں کے پاس لاتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں نیک تحریکیں پیدا کرتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کا رختہ عالم کا انتظام کرتے ہیں، فرشتے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ایک مخلوق ہے جو نور سے پیدا ہوئے ہیں ان کو ہماری نظروں سے چھپا دیا گیا ہے، ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے ان کو ملاکہ یعنی فرشتے کہتے ہیں اور ان کا انکار کفر ہے جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سخت ناراضکی کا اظہار فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ عَذْلًا إِلَّهُ وَمَلِكُهُ وَرُسُلُهُ وَجِبْرِيلُ وَمِيكَلُ فَإِنَّ

اللَّهُ عَذْلٌ لِّلْكُفَّارِينَ ۵

”اگر کوئی شخص اللہ کا ، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا ، اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا

دشمن ہے۔“

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ طَبَّلْ عِبَادَ "مُكْرَمُونَ ۵
لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشِيتِهِ
مُشْفِقُونَ ۵

لوگ کہتے ہیں کہ : ”خدا نے حن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے ۔“ پاک ہے اس کی ذات! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے ۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے ، اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں ۔ وہ ان کی تمام الگی پچھلی باتوں کو جانتا ہے ، اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے ، سوائے اُس کے جس کیلئے اللہ کی مرضی ہو ، اور وہ اُس کے خوف سے سبھے رہتے ہیں۔“

شرک کی ہماہی کا ایک بڑا سبب وہ باطل تصورات ہیں جو مختلف نما ہب کے مانے والوں میں صحیح تعلیم سے دوری کے باعث فرشتوں کے سلسلہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم نے فرشتوں کی صحیح حیثیت بتا کر ان پر ایمان لانے کی دعوت دی تاشرک کا یہ دروازہ بھی بند ہو جائے اور عقیدہ توحید شرک کے ہر شابے سے پاک رہے۔

ایمان کی تیسری شرط ایمان بالكتب:.....

۵.....شاگرد: استادِ محترم! ایمان کی تیسری شرط کیا ہے؟

☆.....استاد: ایمان کی تیسری ضروری شرط حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتائی کہ ان تمام کتابوں پر بحیثیت مجموعی

ایمان لا یا جائے جو خدا تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ہدایت نامے بھیجے ہیں وہ برق ہیں اور وہی حق و باطل کی کسوٹی ہیں اور ان ہدایت ناموں میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا دستور ہوتا ہے، لہذا ان کی رہنمائی پر پورا پورا اعتماد کیا جائے ان پر عمل پیرا ہونے میں سرا سرتفع ہے اور ان کی مخالفت میں سراسر نقصان و خسروں ہے، جن لوگوں نے انہیں اپنا دستور بنا لیا اور اس کے مطابق چلے تو وہ دنیا و آخرت دونوں لحاظ سے کامیاب کامران ہو گئے۔

اس لیے ہر ہم مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سمیت جتنی بھی کتابیں و صحیفے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائے وہ سب برق ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔

شعبد لائزبری

☆.....ارشادِ خداوندی ہے:.....

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

” اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اُسے کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو ، اللہ نے نہ آثارا ہو ، بلکہ یہ (وہی کی) اُن باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں ، اور اللہ نے جو باتیں (لوح محفوظ میں) لکھ رکھی ہیں ، اُن کی تفصیل بیان کرتا ہے - اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے - یہ اُس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کی پروش کرتی ہے۔“

تفصیلِ الکتاب سے مراد آسمانی تعلیم ہے جو مختلف زمانوں میں

مختلف ناموں سے نازل ہوتی رہی ہیں، یعنی تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم، صحف موئی وغیرہ۔ قرآن کوئی نئی چیز نہیں، وہ انہی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے اور انہی تعلیمات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ.

”سچے مومن“ وہ لوگ ہیں جو اس پر بھی ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے نازل کیا گیا۔ (ابقرہ)

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس وقت قرآن کریم کے علاوہ تمام کتب سابقہ منسوخ ہیں اور کوئی بھی دنیا میں اصلی حالت میں موجود نہیں۔

لیکن قرآن کریم قیامت تک کے لیے محفوظ ہے سارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَرَأُ لَا إِلَهَ كُرَّ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝

”حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتنا رہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

کسی ایک ہدایت کے بعد دوسری ہدایت کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب پہلی ہدایت مٹ جائے اور اسے دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت ہو۔ قرآن قیامت تک محفوظ رہنے والی کتاب ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اب رہتی دنیا تک کے لیے یہی آخری ہدایت نامہ ہے۔

ایمان کی چوتھی شرط ”ایمان بالرسل“:

۵۔ شاگرد: استاد محترم! ایمان کی چوتھی شرط کیا ہے؟

☆.....استاد ایمان کی چوہی شرط یہ ہے کہ اس بات کو ایک عقیدہ کے طور پر مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ہر زمانہ میں، ہر قوم میں اور ہر ملک میں وقتاً فوقتاً حب ضرورت اپنے رسول، نبی اور ہادی بھیجے۔

خدا تعالیٰ نے بندوں تک اپنے احکام اور مرضیات کا علم پہنچانے کے لیے جو ”نظامِ ہدایت“ قائم فرمایا ہے، قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام ”رسالت“ ہے اور رسول وہ پاک انسان ہیں جس کو خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا کہ علم و حکمت اور بصیرت سے نوازا ہے۔
ارشادِ خداوندی ہے:.....

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ط
”اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔“

اصطفیٰ کے معنی ہیں بہت سی چیزوں میں سے سب سے اچھی چیز کو منتخب کر لیتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں میں سے اس سب سے اچھے انسان کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب فرماتا ہے جو اس عظیم اور مقدس منصب کے لیے موزوں ترین صلاحیتوں سے بہرور ہو، اس منصب کو پانے میں انسان کے اپنے ارادے اور کوشش کو کوئی دخل نہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کے احکام و مرضیات اور موت کی بعد کی یقینی حقیقوں کو جاننے اور ابدی سعادت سے ہمکنا رہونے کا صرف ایک ہی مستند ذریعہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے رسولوں پر

کامل اعتماد کیا جائے اور ان کی ہدایت و رہنمائی پر دل سے ایمان لا کر ان کی پیروی میں زندگی گزاری جائے۔

اسلام کے بنیادی اصول میں سے دوسرا اصول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا تھا، لیکن ایمان کی بنیادی باتوں میں جتنے نبی مجھی خدا تعالیٰ نے بھیجے سب پر ایمان لانے کی تلقین ہے اور عمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر اور اس وجہ پر کرنا ہے جو آخرحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت پر پہلا حق آپ پر ایمان ہے۔ ایمان کا مطلب صرف یہ مان لیتا نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں بلکہ اس ایمان کی اصل روح آپ کی ذات پر پکا اور سچا اعتماد ہے۔ اس بات پر اعتماد کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق اور امین ہیں، اس بات پر اعتماد کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول اور عمل میں گہری حکمت ہے۔ اگرچہ وہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آرہی ہو اس بات پر اعتماد کہ آپ نے جو راہ دکھائی ہے اگرچہ بظاہر اس میں کتنے ہی خطرات نظر آرہے ہوں لیکن نجات اور فلاح کی حقیقی راہ وہی ہے۔ اس بات پر اعتماد کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے جو اصول سکھائے ہیں وہ وقتی اور عارضی نہیں ہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہیں اور انسان ان سے کبھی مستغثی نہ ہو سکے گا اور سب سے بڑھ کر اس بات پر اعتماد کہ خدا کی معرفت کا جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا

اور سکھایا ہے اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور طریقہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے
- چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :

وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلّٰكُفَّارِيْنَ سَعِيْرًا.

” اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائے ،
تو (وہ یاد رکھے کہ) ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر
رکھی ہے۔“

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ ایمان بالرسول کے بغیر کوئی
شخص مسلمان نہیں ہو سکتا ۔

یہی اعتقاد ہے جس کی تعلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے دی ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول
اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کبھی کبھی یہود کی ایسی باتیں سنتے
ہیں جو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم
ان میں سے بعض باتیں نوٹ کر لیا کریں ۔ فرمایا جس طرح یہود و
نصاری اپنے دین کے بارے میں حیرانیوں میں پڑ گئے اسی طرح تم
بھی حیرانیوں میں پڑ جانا چاہتے ہو ۔ میں نے تمہارے سامنے اللہ
تعالیٰ جلت شانہ کے دین کو بالکل روشن اور شفاف صورت میں رکھا
ہے ۔ اگر آج موی (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کیلئے بھی
میری پیروی کے سوا چارہ کار نہ تھا ۔ ظاہر ہے کہ حق کی رہنمائی کے
نقطہ نظر سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی لائی
ہوئی شریعت کے بعد حضرت موی اور ان کی شریعت کی بھی کوئی
اہمیت باقی نہیں رہی تو دوسرے اشخاص اور ان کے علوم و افکار اور
نظریات و تجربات کی کیا وقعت باقی رہتی ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی فکر

و فلسفہ کو یا کسی وجدان و کشف کو یا کسی طریقہ و تجربہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و عمل ترجیح دے یا اس کے برابر ہی ٹھہرائے یا اس کسوٹی پر جانچے بغیر ہی اس کو تسلیم کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ ایمان محس ایک فریب نفس ہے ۔ کیونکہ اس کا ایمان اس اعتماد سے بالکل خالی ہے جو اس ایمان کی اصل روح ہے ۔ جب تک آدمی کے اندر یہ اعتماد نہ پیدا ہو اس تصدیق سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ آدمی ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہوتا اور نہ یہ ایمان اس معرفت کے نقطہ نظر سے کچھ کار آمد ہوتا ہے جو اس ایمان کی حقیقی غایت ہے ۔ اسی وجہ سے فرمایا :
ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا
 و بمحمد رسولًا .

حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر.....

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت پر دوسرا حق ہے ارشاد ہے (اور اے مسلمانو ! ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاو اور اس کے دین کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو) ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر واجب ہونے کی تعلیم دی ۔ ارشاد ہے اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو یہ ایمان کا اولین اور بنیادی تقاضا ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنا ہادی اور رہبر مانتا ہو وہ اگر اپنے اس عقیدے میں

سچا ہے تو اس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنے رائے اور خیال کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر مقدم رکھے ۔ یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کر کے اور ان کے فیصلے بطور خود کر ڈالے ، بغیر اس کے کہ اسے یہ معلوم کرنے کی فکر ہو کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان معاملات میں کوئی ہدایت دی ہے یا نہیں ۔ اور دی ہے تو وہ کیا ہے ۔ اس لئے ارشاد ہوا اللہ اور اس کے رسول ﷺ علیہ وآلہ وسلم کے آگے بڑھ کر نہ چلو ، پیچھے چلو مقدم نہ بنو تابع بن کر رہو ۔ سورہ احزاب میں فرمایا : جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کر دیا ہو اس کے بارے میں کسی مونم کو خود کوئی الگ فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ۔ فرمانِ نبوی ﷺ علیہ وآلہ وسلم ہے :

لَا يَؤْمِنُ أَحَدٌ كَمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَاهٌ بَعْدًا لِمَا جَئَتْ بِهِ

”تم میں سے کوئی پورا مونم نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔“

پھر فرمایا : اپنی آواز نبی اکرم ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی اکرم ﷺ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اوپھی آواز سے بات کیا کرو ۔ جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۔ یہ مجلسِ نبوی کا دوسرا ادب ہے ۔ اس کا منشا یہ تھا کہ حضور کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان آپ کا انتہائی احترام محفوظ رکھیں ۔ کسی شخص کی آواز آپ کی آواز سے بلند تر نہ ہو ۔ آپ ﷺ علیہ وآلہ وسلم

سے خطاب کرتے ہوئے لوگ بھول نہ جائیں کہ وہ کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاطب ہیں ۔ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ﷺ علیہ وآلہ وسلم قسم ہے اب مرتبے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنا آہستہ بولنے لگے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا ۔

قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا رسول اکرم ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ حیات میں تھا ۔

چنانچہ بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے ۔ جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے ، آپ ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کی جائیں ۔

چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ جب حدیث پڑھتے تو حاضرین مجلس کو چپ رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے ۔ اس آیت کی رو سے حدیث شریف کی قرأت کے وقت سکوت واجب ہے ۔ جیسا کہ حیات پاک میں آپ ﷺ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک سننے کے وقت واجب تھا ۔ حدیث رسول دراصل آواز رسول ہے ۔

آنحضرت ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں سے ایک امر یہ ہے کہ آپ کی حدیث کی تظمیم کی جائے ۔ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ راوی ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا ، آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے ، اثنائے قرأت میں آپ

کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ کاٹا۔ آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا مگر آپ نے رسول اللہ ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی عزت و احترام میں صبر کیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ ! ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے ان کی تعظیم و تکریم کرنا ، حضور اکرم و کی تعظیم میں داخل ہے ۔

ختم نبوت پر ایمان:.....

ختم نبوت پر ایمان آنحضرت ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی نبوت اور رسالت کا اختتام اور آپ ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی و رسول ہونا اسلام کے ان بدیہی مسائل اور عقائد میں سے ہے جن کو تمام عام و خاص عالم و جاہل ، شہری اور دیہاتی مسلمان ہی نہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی جانتے ہیں ۔ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک پوری امت محمدیہ اس عقیدہ پر قائم رہی کہ آنحضرت ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر طرح کی نبوت رسالت ختم ہے ، آپ بلا استثناء آخری نبی ہیں ۔ آپ ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا ۔ ننانوے آیات قرآنیہ آنحضرت ﷺ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا اختتام وضاحت سے ثابت کرتی ہیں ۔ اور اعلان کرتی ہیں کہ آپ کے بعد نہ کوئی تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور نہ بقول مرحوم میرزا غیر تشریعی ۔ مثلاً فرمانِ الہی :

”آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام ہی پسند کیا ۔“ (سورہ المائدہ)

یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخری حج میں عرفہ کے دن یوم جمعہ میں نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نازل ہونے کے بعد اکیاسی روز سے زیادہ دنیا میں زندہ نہیں رہے۔ یہ آیت امت مرحومہ کی ایک بڑی مخصوص فضیلت اور شرافت کا اعلان کر رہی ہے۔ یعنی خدا وند عالم نے اپنا دین مقبول اس امت کیلئے ایسا کامل فرمادیا کہ قیامت تک اس میں تتمیم کی ضرورت نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کیلئے ایک ایسی صاف و سیدھی اور روشن راہ تیار فرمائے ہیں جس پر چلنے والے کو دن اور رات میں کوئی خطرہ مانع نہ ہو۔

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے کوئی قوم، کوئی انسان، کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا ممکن نہیں۔ خواہ آپ کے زمانہ میں موجود ہوں یا آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہوں۔ بلکہ قیامت تک دنیا میں پیدا ہونے والے انسان سارے آپ ہی کے امت ہیں۔ جیسے کہ خود فرمایا:

انا رسول من ادرك حيا ومن يولد بعدي .

”میں اس کا بھی رسول ہوں جس نے مجھے زندگی میں پا یا اور جو میرے بعد پیدا ہو گا۔“

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے سلسلے کی مکمل ہو گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر یہ امتیاز عطا فرمایا کہ پہلے جو انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے، وہ عموماً کسی خاص قوم کے لئے اور خاص جگہ کے لئے اور خاص

زمانے کیلئے ہوتے تھے۔

لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کسی خاص قوم، کسی خاص قبیلے اور کسی خاص جگہ کے لئے نبی نہیں بنایا، بلکہ پوری دنیا، پوری انسانیت اور قیامِ قیامت تک تمام زمانوں کے لئے نبی بنایا ہے۔

اس کیلئے لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو جو آپ کی امت کو اپنی طرف دعوت دے۔ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی یا رسول آتا ہے تو آپ کی امتیازی فضیلت باقی نہیں رہتی۔ دو سو دس (210) احادیث نبویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختم نبوت کا قطعی اعلان فرمایا کہ ہر قسم کی تاویل اور تخصیص کا راستہ بند کر دیا ہے۔ فرمایا میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ آراستہ اور پیراستہ بنایا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ تعمیر کیلئے چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کے دیکھنے کو جو ق در جو ق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔ کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ چنانچہ میں نے اس جگہ کو پر کیا اور مجھ سے ہی قصر نبوت مکمل ہوا۔ اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔ مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔ فرمایا سب انبیاء علیہم السلام میں پہلے آدم (علیہ السلام) ہیں اور سب سے آخر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

-
بہر مومن مسلمان پر لازم ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے آخری نبی ہیں آپ

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور جو کوئی آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا دجال ہے اور اس جھوٹے دجال کی تصدیق کرنے والے یا اس کو اچھا اور نیک شخص سمجھنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

☆..... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِكُنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ (الاحزاب)

(حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

☆..... فرمان رسول! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَإِنَّا خَاتَمَ النَّبِيِّنَ لَا نَبِيٌّ بَعْدِيٍّ۔ (مسلم ابو داؤد)

”بحضور انور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے 30 جھوٹے پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی سمجھے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

حضرات فقهاء فرماتے ہیں اور جب کوئی شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سے آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ یعنی وہ احکام جن کا وجود مذہب اسلام میں کو پہنچ چکا ہو۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے جب کوئی آدمی یہ عقیدہ نہ رکھے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری

نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں اور اگر کہے کہ میں رسول اللہ ہوں یا فارسی میں کہے کہ میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ ہے کہ میں پیغام پہنچاتا ہوں۔ تب بھی کافر ہو جاتا ہے اور نبوت کا دعویٰ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باجماع کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس سے مجرمہ طلب کیا تو بعض فقهاء کے نزدیک یہ طالب مجرمہ بھی مطلقاً کافر ہو جائے گا اور بعض نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ اگر اس نے اظہارِ عجر و رسوائی کیلئے مجرمہ طلب کیا تھا تو یہ کافرنہ ہو گا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری کائنات میں اللہ کے بعد سب سے افضل و اولیٰ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

☆..... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اَنَا سَيِّدُ الْلِّدَادِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری و مسلم)

”میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔“

ایمان کی پانچویں شرط ”ایمان بالآخرۃ:.....“

○..... شاگرد: استاد محترم! ایمان کی پانچویں شرط کیا ہے؟

☆..... استاد: ایمان کی پانچویں شرط رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتائی کہ مومن وِيَا لَا خَرَةٌ هُمْ يُوْقَنُونَ ۝ ”آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔“

لیعنی صدق و دل سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد ایک ہر شخص کو زندہ ہو کر اور خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اچھے اور برے اعمال کا حساب دینا ہے۔ آخرت کے معنی پچھلی زندگی

اور پچھلی دنیا کے ہیں اور اس پر اعتقاد اور یقین اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی ایک اہم کڑی ہے اس کو مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

دنیاوی زندگی کی انتہا اور اس کے بعد دوسرے جہان پر داخل ہونے پر پختہ اعتقاد رکھنے کا نام یوم آخرت ہے جو موت سے شروع ہو کر قیامت کے آنے، پھر اٹھائے جانے، حشر نشر، جزا و سزا اور لوگوں کو جنت یا جہنم میں داخل ہونے تک یعنی یوم آخرت سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے اسی لئے اس کو حیاتِ آخرت اور دارِ آخرت بھی کہا گیا ہے۔

یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گزار رہے ہیں اور جس کو اپنی آنکھوں، کانوں، حواس وغیرہ سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے۔
ارشادِ خداوندی ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَتُلَوَّثُمْ إِنَّكُمْ أَخْسَنُ عَمَالَةً
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝

”جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کو ن کرتا ہے اور وہ غالباً (اور) بخششے والا ہے۔ (سورۃ الملک)

ایمان کی چھٹی شرط ”ایمان قضا قدر پر:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! ایمان کی چھٹی شرط کیا ہے؟

☆.....استاد: ایمان کی چھٹی شرط قضا قدر پر ایمان سلسلہ ایمانیات کی

آخری کڑی ہے یعنی اس بات پر یقین رکھنا کہ قانون و قدرت اور قانون شریعت دونوں خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون ہیں اور خدا تعالیٰ اس تمام مادی اور روحانی نظام کا خالق و مالک اور بانی و گران ہے اور اس نے ہر کام کے متعلق ایک اصول مقرر کر دیا ہے جو اس کے مطابق کام کرے گا فائدہ اٹھائے گا اور جو اس کے خلاف کام کرے گا نقصان اٹھائے گا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اختیار و ارادہ بھی عطا کیا ہے اسے متعدد صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بناء پر وہ اچھے اور بے کی تمیز کر سکتا ہے، اور اسی اختیار اور اس کی صلاحیتوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اسے مکلف بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:.....

وَهَدَيْنَاهُنَّا مِنَ النَّجَادِينَ^۵

”اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے۔“ (البلد: ۱۰)

یعنی خیر شر کے ایمان کفر کے اور سعادت مندی اور بد بختی کے دونوں راستے ہم نے اسے دکھا دیئے ہیں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اس بات کا سابق و اذی علم حاصل ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کرے گا؟ لیکن اس علم کو انسان کے اچھی یا بُری راہ اپنانے میں کوئی دخل نہیں انسان اگر کوئی راہ اپناتا ہے تو اپنے اختیار سے۔

عقیدہ قضا و قدر کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں جہان میں جو کچھ برا بھلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کے ہونے سے پہلے اس کو جانتا ہے اور ہر چیز کے مخلوق اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پہلے سے

ایک اندازہ مقرر ہے اس اندازے اور علم کو تقدیر کہتے ہیں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز اور بات اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اندازے سے باہر نہیں ہے۔ بری چیزوں کے پیدا کرنے اور ان کے پیش آنے میں بھی بہت سے راز پوشیدہ ہیں جن کو ہر شخص نہیں جانتا ہم کو تو ایمان لانا چاہیے کہ خدا تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے جو کچھ ہوتا ہے سب بحق ہے۔



تقویٰ اور پرہیز گاری

۵.....شاگرد: استادِ محترم! تقویٰ کے کہتے ہیں؟

☆.....استاد: تقویٰ اور پرہیز گاری کی تعلیم بھی اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے اسلام میں بعض ایسی عبادات بھی ہیں جن کا تعلق تمام ترقی احوال اور نفس کی اندر وہی کیفیتوں سے ہے۔ یہ وہ قلبی عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور ہمارے تمام اعمال کا اصل جوہر ہیں، جن کے الگ کر دینے سے وہ عبادات منجنگانہ بھی جن پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے جسد بے روح بن جاتی ہیں۔ تقویٰ، اخلاص، صبر اور شکریہ وہ فرائض ہیں جن کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اس لئے اس کا نام قلبی عبادت رکھا جا سکتا ہے۔

عربی زبان میں تقویٰ کے معنی نہیں، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے حساب اور جزا و سزا پر یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے تمام برے کاموں اور بُری باتوں سے بچا جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکموں پر چلا جائے۔ یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہم فرض کی ہیں اور اپنے جن بندوں کے جو حق ہم پر لازم اور مقرر کیے ہیں اُن کو ہم ادا کریں اور جن کاموں اور باتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام اور ناجائز کر دیا ہے ہم اُن سے بچیں اور اُن کے پاس بھی نہ جائیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں۔ قرآن و حدیث میں

بڑی تاکید کے ساتھ اور بار بار اس تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆.....ارشاد باری تعالیٰ ہے:.....

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

”اور جو شعائرِ الہی کی تظمیم کرتا ہے تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے“

☆.....اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....
الْتَّقْوَى هُنَّا وَيُشَيرُ إِلَى صُدُورِهِ.

”یعنی تقویٰ یہاں ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا“

حقیقت تقویٰ:

○.....شاگرد: استاد محترم! تقویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

☆.....استاد: حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو، بندگی کا شعور ہو، خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو، وہ ہر وقت اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جہاں خدا نے مجھے کچھ عرصہ کیلئے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ اس امر پر منحصر ہے کہ میں اس امتحان گاہ میں اپنی قتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حقوق کس طرح ادا کرتا ہوں اور بندوں کے حقوق کس طرح۔ گناہوں سے بچنے کیلئے احتیاط کا نام شریعت کی زبان میں تقویٰ ہے۔

آدمی اگر اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہنا چاہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے اندر تقویٰ کا وصف پیدا کرے۔ اللہ کا بندہ

بننے کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

۵.....شاگرد: استاد محترم! وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

☆.....استاد: وہ تین چیزیں یہ ہیں:.....

(۱)..... **توفیق عمل :**

یہ صرف متقین کیلئے ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

”بے شبہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے“

(۲)..... **اصلاح عمل :**

يُصْلِحُ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ.

”تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے۔“

(۳)..... **قبول عمل :**

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

”اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔“

☆.....اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

رأس الحکمة مخافة اللہ۔

یعنی حکمت کی بنیاد اللہ کا خوف ہے۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کا
خلاصہ صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر
سکتے ہیں۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے عمل کی قلب میں اسی
تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے۔

☆.....اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں:.....

يَأَيُّهَا النَّاسُ اغْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

”اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیز گار بن جاؤ“
تقویٰ انسان کے اعمال و اخلاق کو پاک کر دیتا ہے اور تمام فضائل اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔

.....اللَّهُ سَجَدَهُ وَتَعَالَى كَا ارشادٍ هے:

جَعَلْنَاكُمْ شَعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارِفُوا طِإِنَّ أَكْرَمَكُمْ إِنْدَ اللَّهِ التَّقِيَّكُمْ .

”ہم نے تم کو مختلف خاندان اور قبیلے صرف اس لئے بنایا کہ باہم شاخت ہو سکے، تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

اسلام کی رو سے وہی شخص قابل عزت اور قبل احترام ہے جو متqi ہو اگرچہ کوئی شخص دنیوی اور خاندانی لحاظ سے کتنا ہی بڑا ہو اور کیسے ہی معزز عہدے پر فائز ہو، اگر اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے تو اسلام کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

قَيْلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! عَلَيْهِ الْبَلَاغُ مِنْ أَكْرَمِ النَّاسِ . قَالَ اتَّقَاهُمْ (متفق عليه)

”یا رسول اللہ! صَلَّی اللَّهُ عَلَیْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ سب سے معزز آدمی کون ہے۔ فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ پر ہیز گار ہے۔“ (مسلم)

تقویٰ والے کون ہیں؟

.....شاگرد: استاد محترم! تقویٰ والے کون لوگ ہیں؟

☆..... استاد: قرآن پاک نے اس سوال کا جواب بھی دے دیا ہے۔ سورہ بقرہ میں تقویٰ والوں کا نہ صرف عام حیہ بلکہ ایک ایک خدو خال نمایاں کر دیا گیا:

وَلِكُنَ الْبِرُّ مِنْ أَمْنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلِكَةِ وَالْكِتَبِ
وَالنَّبِيِّنَ وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُجَّهِ ذُوِّ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينَ
وَابْنِ السَّبِيلِ لَا وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ لَا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَأَتَى
الرَّكُوْةَ لَا وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا لَا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَاسَاءِ وَ
الضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ طَأْوَلَيْكَ الَّذِينَ صَدَقُوا طَأْوَلَيْكَ هُمُ
الْمُتَقْوُنُونَ ۝

”لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور
قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر
اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور تیتوں کو اور محتاجوں
کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردینیں چھڑانے میں اور
قام رکھنے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو
جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تنکیف میں اور لڑائی
کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار“

تقویٰ کیسے پیدا ہو؟

۵..... شاگرد: استاد محترم! تقویٰ پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

☆..... استاد: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....

الا ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، واذا
فسدت فسد الجسد كله، الا وهى القلب.

”ہمیشہ ہو کہ بدن میں ایک مکڑا ہے جب وہ درست ہو تو

سارا بدن درست ہوتا ہے اور خراب ہو تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ ہشیار ہو کہ وہ دل ہے۔“

اس کی حفاظت سب سے مشکل کام ہے گویا دل نظر گاہ پر وردگار ہے۔ سوچ کے مخلوق کی عیب جوئی کے ڈر سے تو تو اپنا چہرہ اور لباس صاف اور آراستہ رکھتا ہے تو دل جو نظر گاہ خالق ہے اس کا کوئی خیال نہیں۔

☆.....اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:.....

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادُ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْتُوْلًا
”بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔“
الغرض! خدا تعالیٰ کا سچا خوف اور آخرت کی فکر اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو بڑی بات ہے اور اس خوف اور فکر سے آدمی کی زندگی سونا بن جاتی ہے۔

تقویٰ یعنی خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کرنے کا طریقہ اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کی صحبت ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوں اور اُس کے حکموں پر چلتے ہوں..... دوسرا ذریعہ دین کی اچھی معتبر کتابوں کا پڑھنا اور سننا ہے..... اور تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ تہائی میں بیٹھ بیٹھ کر اپنی موت کا خیال کیا کرے اور مرنے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں پر جو ثواب اور گناہوں پر جو عذاب ملنے والا ہے اُس کو یاد کرے اور اُس کا دھیان کیا کرے اور اپنی حالت پر غور کیا کرے اور سوچا کرے کہ قبر میں میرا کیا حال ہو گا اور قیامت میں جب سب

بندے اٹھائے جائیں گے تو میری کیا حالت ہو گی اور جب خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی ہو گی اور میرا نامہ اعمال میرے سامنے کھولا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا اور کہاں منہ چھپاؤں گا۔
 دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دولت تقویٰ سے اور صفائی قلب سے بہرہ اندوز رکھیں اور اپنی یاد اور اپنے ذکر سے ہمیشہ معمور فرمائیں، آمین۔

دعا یے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدًى وَالثُّقُولَ وَالْعَفَافَ وَالْغِنَىٰ.

”اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ اور غنا طلب کرتا ہوں۔“ (مسلم)

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
 جو روح کو تڑپا دے جو قلب کو گر مادے

موہڑہ کورچشم (چکوال)

پاکستان

شہید لائبزبری

حلال کمائی کی اہمیت و فضیلت

اور حرام مال کی نحوست

شاعر: استاد محترم! اسلام میں حلال کمائی کی اہمیت کیا ہے؟
 ☆.....استاد: اسلام میں حلال طریقے سے روزی حاصل کرنے اور ایمانداری کے ساتھ تجارت اور کاروبار کرنے کی بڑی فضیلت بتائی گئی ہے۔

.....☆.....قرآن شریف میں ارشاد ہے:.....

يَا يَهُؤَ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ط
 ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناقص طریقے سے نہ کھاؤ۔“ - مولانا شریعتی

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:.....”طلب کسب الحلال فرضۃ“ بعد الفرضہ ” - ”حلال روزی کا طلب کرنا بھی فرائض کے بعد ایک فرضہ ہے۔“

☆.....ایک دوسری حدیث میں اپنی محنت سے روزی کمانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:.....”کسی نے اپنی روزی اس سے بہتر طریقے سے حاصل نہیں کی کہ خود اپنے دست و بازو سے اُس کے لیے اُس نے کام کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام کا طریقہ یہی تھا کہ وہ اپنے

ہاتھ سے کچھ کام کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔

☆.....ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:.....”سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (قیامت میں) نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔“ یہ خیال کرنا کہ اسلام مادی ضرورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، اسلام سے کھلی ہوئی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ مومن و مسلم محض روح کا نام نہیں ہے، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اور ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنا فرض بجا لانے اور اپنے پروگار کی رضا حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کرنا ہے، اس کیلئے جسم اور جسمانی قوتیں بھی قطعی ضروری ہیں۔ ایسی حالت میں وہ سروسامان کیوں ضروری نہ ہوگا جس پر اس جسم کی اور ان جسمانی قوتوں کی بقا موقوف ہے اور جسے ہم انسان کی معاشی ضرورت کہتے ہیں۔

اسلام کے نزدیک ہر انسان کو اپنی روزی کمانے کی کوشش ایک شرعی ذمہ داری سمجھنا چاہئے اور کسی پر بار بنتے کی بجائے اپنا رزق خود اپنا پسینہ بہا کر حاصل کرنا چاہئے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے قیامت کے دن کسی آدم کے قدم حساب کے موقع سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا۔ ان میں دو یہ بھی ہیں کہ کہاں سے کمایا یعنی حلال سے یا حرام سے اور کہاں خرچ کیا۔ سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس نے تمام دنیا میں اسباب زندگی پھیلا کر اپنا اپنا رزق تلاش اور وصول کرنے کی تدبیر اختیار کرنے کا انسان کو مکلف بنادیا ہے اور ساتھ ہی اسے ہدایت کر دی ہے کہ حلال کماو اور حلال کھاؤ۔

اب یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی روزی جائز اور حلال طریقوں سے حاصل کرے یا ناجائز اور حرام ذرائع کو ترجیح دے کیونکہ اسے ہر حال میں اس سے کم و بیش رزق نہیں مل سکتا جو اس کیلئے مقدر کر دیا گیا ہے ۔ انسان جس پیشہ کو بھی اختیار کرے اس کیلئے ضروری ہے کہ اسے شرعی حدود کے اندر رہ کر کرے ۔ اس میں جھوٹ فریب دعا رشتہ بدینتی اور بد دینتی کو دخل نہ دے ، ایمانداری اور دیانتداری سے کام لے کر جائز اور حلال طریقے اختیار کر کے اپنی روزی کو طیب بنائے ۔ اس بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھے کہ حرام کی زیادہ کمائی سے حلال کی تھوڑی آمدنی ہزار درجہ بہتر ہے کہ اس کی برکت و تاثیر کو حرام کی کمائی نہیں پہنچ سکتی ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کو (لاج کی بنا پر) یہ پرواہ نہیں ہو گی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے آیا یہ حلال یا حرام ۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۴ ح ۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرنا ، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں بہت متحرک ہے اور پوری دلچسپی لے رہا ہے تو آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس کی یہ دوڑ دھوپ اور دلچسپی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کی پورش کیلئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ ہی میں شمار ہو گی اور اگر بوڑھے والدین کی پورش کیلئے کوشش کر رہا ہے

تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہی شمار ہوگی ۔ اور اگر اپنی ذات کیلئے کوشش کر رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا رہے تو یہ کوشش بھی فی سبیل اللہ شمار ہوگی ۔ البتہ اگر اس کی یہ کوشش زیادہ مال حاصل کر کے لوگوں پر برتری جتنا اور لوگوں کو دکھانے کیلئے ہے تو یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی ۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا ، اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ رہتا ہے اور کہتا ہے میں کوئی کام نہیں کروں گا ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرمائے گا ۔ آپ نے فرمایا : یہ شخص جاہل مطلق ہے ، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ میرا رزق میرے نیزے کے سامنے میں رکھا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اسے معلوم نہیں کہ پرندے صحیح کے وقت تلاش رزق میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر شکم ہو کر لوٹتے ہیں ۔

حرام کمانی کی نحوست:

۵.....شاگرد: استادِ محترم! اسلام کے نزدیک حرام کمانی کونی ہے؟ اور اس کی نحوست کیا ہے؟

☆.....استاد: مذکورہ آیت کریمہ میں حرام کمانی کے ان تمام طریقوں کو مسلمانوں کے لیے حرام کر دیا ہے جو غلط اور باطل ہیں جیسے دھوکہ فریب کی تجارت، امانت میں خیانت، جواہر، سودا و ررشوت وغیرہ پھر دوسری آیات میں الگ الگ تفصیل بھی کی گئی ہے مثلًا جو دکاندار اور سودا گرنان پر قول میں دھوکہ بازی اور بے ایمانی کرتے ہیں ان کے متعلق خصوصیت سے ارشاد ہے:.....

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفِفُونَ ۝ ذَا
كَالُوْهُمْ أَوْ زَنُوْهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَعْلَمُ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعَثُونَ ۝ لِيَوْمٍ
عَظِيمًا ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

” بڑی خرابی ہے ناپ توں میں کمی کرنے والوں کی جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں ، اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا توں کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں کیا یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ انہیں ایک بڑے زبردست دن میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ؟ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

☆..... فرمایا بُنيٰ كريم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا - حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ - فرمایا جنت میں نہ جائے گا وہ شخص (یعنی) وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوا ہو اور جو گوشت حرام سے بڑھا اس کے مناسب حال آگ ہی ہے -

☆..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:..... جس نے کوئی کپڑا دس درہم میں خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک یہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ، اس کی نماز قبول نہ فرمائے گا - جو بندہ مال حرام کماتا ہے ، اور اس میں صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو قبول نہیں فرماتا اور جو کچھ اس سے خرچ کرتا ہے

اس میں برکت نہیں دی جاتی اور اپنے بعد پسمندہ چھوڑ جاتا ہے وہ اس کیلئے تو شہ جہنم بنتا ہے۔

☆.....ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....”جو کوئی ایسی چیز کسی کے ہاتھ بیچے جس میں کوئی عیب اور خرابی ہو اور گاہک پر وہ اس کو ظاہر نہ کرے تو ایسا آدمی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتا رہے گا (اور ایک روایت میں ہے) کہ ہمیشہ اُس پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔“

اللہ سجادہ، و تعالیٰ ہم سب کو اپنے غضب سے بچائے، اور حلال طریقوں سے روزی کمانے اور حرام مال کی نخوست سے بچائے۔

شہید لاٹبری

موہڑہ کورچشم (چکوال)

پاکستان



معاشرت کے احکام اور باہمی حقوق

۵.....شاگرد: استاد محترم! معاشرت اور باہمی حقوق سے کیا مراد ہے؟
 ☆.....استاد: معاشرتی حقوق و آداب سے متعلق ہدایات سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے ابناء جنس اور عزیزوں، قریبوں، چھوٹوں، اور بڑوں، اپنوں اور پرائیوں کے ساتھ جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے، کس طرح پیش آئیں، کیسا برداشت کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں۔

معاشرت کے معنی یہ ہیں کہ رہن سہن کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے دوسرے کو ایذا نہ پہنچے۔ ظاہری طور سے اور باطنی طور پر کسی طرح دوسرے کو تکلیف نہ ہو، اپنے اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے، بازار، گھر، بولنا چالنا تمہارا ایسا ہو جس سے دوسرے کو تکلیف اور ذرا بھی بھی خیس نہ پہنچے، موبہرہ کو چشم (چکوال)

حقوق العباد سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے بھی دو حصے ہیں ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ، اولاد کا ماں باپ کے ساتھ، بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، قریب اور بعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ، نوکروں اور ماتحتوں کے ساتھ، خاص کر کمزور اور ضرورت مند طبقوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برداشت ہونا چاہئے۔ دین کے اس حصہ کا جامع

عنوان ”معاشرت“ ہے -

۵.....شاگرد: استاد محترم! اسلام نے انسانی اعمال کو کتنوں حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے؟

☆.....استاد: اسلام نے انسانی اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اسے حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسرا حصہ بُنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے اسے حقوق العباد کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام دینِ رحمت ہے اس نے حقوق العباد کو زبردست اہمیت دی ہے۔ بُنی نوع انسان کے ہر طبقہ کیلئے اس نے کچھ حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ جن کا پورا کرنا ہر مسلمان کیلئے فرض قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے باہمی حقوق کی دو فتحیں ہیں۔ اول اوامر یعنی وہ باتیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم دیا ہے۔ دوم مناہی یعنی وہ باتیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے روکا ہے۔ سب سے پہلا حق جسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور ان کیلئے وہی بات بُری سمجھے جو اپنے لئے بُری سمجھتا ہے۔ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان دوسرے انسانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کے حقوق دبایتے ہیں، امیر آدمی غریب آدمیوں کو خفیر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر اس حکم کو سامنے رکھا جائے تو دنیا سے تمام بدیاں، بے الاصافیاں اور ظلم و جور دور ہو جائے۔ اگر ہر انسان دوسرے سے سلوک کرتے وقت اپنے دل میں سوچ لیا کرے کہ اگر کوئی شخص خود میرے ساتھ یہی سلوک کرتا تو میرا کیا حال ہوتا تو کبھی اس کا ہاتھ بُرائی کی طرف نہ اٹھے۔

ماں باپ کے حقوق اور ان کا ادب:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! ماں باپ کے حقوق کیا ہیں؟

☆.....استاد: اس دنیا میں انسان کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا تعلق ماں باپ سے ہے اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق ماں باپ کا ہی بتلا یا ہے۔ قرآن شریف میں ہے:.....
 وَقَضَى رَبُّكَ أَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا طَامِّا يَتَّلَغَّنَ
 عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَخْلُهُمَا أَوْ كِلْهُمَا فَلَا تَأْتُقْلُ لَهُمَا أُفِّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا
 وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا

” اور تمہارے پور دگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔
 اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو ، اور نہ انہیں جھٹکو ، بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو ۔“

ماں باپ کے حق کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجھے کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے حق کے ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے شکر کے ساتھ یہ تاکید بھی کی ہے کہ والدین کے شکر گزار رہو ، لقولہ تعالیٰ: میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کے شکر گزار رہو ۔

” اور ان سے ادب و احترام سے بات کہو ” یعنی گفتگو میں ان کی عظمت اور اپنے مقام فرزندی کا خیال رکھو اور عاجزی اور نرمی سے ان کے سامنے بچھے رہو ۔ مراد یہ ہے کہ ہر وقت ان کے مرتبہ کا لحاظ رکھو اور کبھی ان کے سامنے اپنی بڑائی نہ جتاو اور نہ ان کی

شان میں گستاخی کرو ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار دو آدمیوں کو دیکھا ایک سے پوچھا یہ دوسرے تمہارے کون ہیں ؟ اس نے کہا یہ میرے والد ہیں ، آپ نے فرمایا دیکھو ان کا نام نہ لینا نہ کبھی ان سے آگے چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ماں باپ پر اولاد کا کیا حق ہے ؟ فرمایا ماں باپ ہی تمہاری جنت ہیں اور ماں باپ ہی دوزخ ۔

اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو تم ان سے اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھوٹ کیاں دو ، یوں تو جوانی ہو یا بڑھاپا ہر عمر میں والدین کے ساتھ نزی اور عاجزی کے ساتھ پیش آنا چاہیے ، لیکن بڑھاپے میں اس امر کی خصوصی تاکید اس لئے ہے کہ اس عمر میں کمزوری کے باعث بات کی برداشت کم ہو جاتی ہے ۔ اس لئے اس دور میں خاص طور پر تاکید ہے کہ ہر بات میں ان کی مرضی اور مزاج کا خیال رکھا جائے اور اپنے کسی قول و عمل سے ماں باپ کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیا جائے ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : خدا کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے ۔

ماں باپ کی خدمت ہی سے دونوں جہاں کی بھلائی سعادت اور عظمت حاصل ہوتی ہے ، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدمت والدین کو جہاد جیسی عظیم عبادت پر ترجیح دی ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چہاد میں شریک ہونے کی غرض سے

حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا تمہارے والدین زندہ ہیں اس نے کہا جی ہاں زندہ ہیں ارشاد فرمایا : جاؤ ان کی خدمت کرتے رہو یہی تمہارا جہاد ہے ۔

” اور دعا کرو کہ پروردگار ان دونوں پر رحم فرماء جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی تھی ۔ ”

پروردگار آج یہ بڑھاپے کی بے بُی اور کمزوری میں مجھ سے زیادہ خود رحمت و شفقت اور سرپرستی کے محتاج ہیں ، خدا یا ان کی سرپرستی فرماء اور ان کے حال پر رحم کی نظر کر ۔

اولاد کے حقوق:

○ شاگرد: استادِ محترم! والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں:.....

☆ استاد: اسلام نے جس طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق مقرر کئے ہیں اسی طرح سے ماں باپ پر بھی اولاد کے کچھ حق رکھے ہیں۔ جہاں تک ان کو کھلانے پلانے اور پہنانے کے حق کا تعلق ہے اُس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ اولاد کے اس حق کا احساس ہمیں فطری اور طبی طور پر بھی ہے۔

اولاد کے جس حق کی ادائیگی میں ہم سے عموماً کوتاہی ہوتی ہے وہ اُن کی دینی اور اخلاقی تربیت ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل و عیال کی تربیت اور نگرانی اس طرح کریں کہ مرنے کے بعد جہنم میں نہ جائیں۔

☆ قرآن شریف میں ہے:.....

يَا إِيَّاهُ الَّذِينَ آمَنُوا قُوَّا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ فَارَاط

” اے ایمان والو ! اپنے آپ کو اور اپنی آل اولاد کو جہنم کی

آگ سے بچاؤ۔“ (سورہ تحریم)

☆..... اولاد کی اچھی تربیت کی فضیلت رسول اللہ! صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمائی:.....

”باپ کی طرف سے اولاد کے لئے اس سے بہتر کوئی عطا یہ نہیں کہ وہ ان کی اچھی تربیت کرے۔

☆..... جس گھر میں بچے نہیں اس میں برکت نہیں۔

☆..... آنحضرت صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنی اولاد کو شریعت کے مطابق آداب شرعی کی تعلیم دلانا ایک صاف صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے، ہر موقع پر بچے کو دین و آداب کی تعلیم دی جائے۔ مثلاً کھانے میں بتائے کہ پیٹا دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ میں گلاس لے کر پانی پیو۔ چلتے ہوئے کھانا نہیں چاہیے اور کھڑے ہو کر پینے سے اسلام میں روکا گیا ہے۔ پھر اسے بتائیں کہ پاک اور حلال چیز کھاؤ پیو۔ ناپاک اور ناجائز کھانے پینے سے بچو۔ بچہ پیشاب کرنا چاہے تو اسے بتایا جائے کہ بیٹھ پیشاب کیا کرو کھڑے کھڑے پیشاب کرنا گناہ کی بات ہے، قبلہ کی طرف منہ نہ ہو، جوتا پہننے لگے تو اول دن سے اسے تعلیم دے کہ پہلے دائیں پیر میں پہنؤ پھر بائیں میں اور جب اتنا رو تو پہلے بائیں پاؤں سے پھر دائیں سے چلنا ہو تو اسے بتایا جائے کہ بڑوں کے آگے آگے نہیں چلا کرتے، گفتگو کے موقع پر سکھایا جائے کہ ادب اور تمیز سے بات کیا کرو۔

☆.....اپنے بچوں کی عزت کرو اور ان کو اچھے آداب و اخلاق کی تعلیم دو

جس کے لڑکی ہو پھر وہ اس کو زندہ درگور نہ کرے اور نہ اسے ذلیل کر کے رکھے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

بعض لوگ اپنی اولاد میں لڑکوں سے زیادہ محبت اور دلچسپی ہو تی ہے اور بے چاری لڑکیوں کو وہ بوجھ سمجھتے ہیں اور اس واسطے ان کی خبر گیری اور تربیت میں کوتا ہی کرتے ہیں۔ اسلام میں لڑکیوں کی اچھی تربیت کی خصوصیت سے تاکید کی گئی ہے اور اُس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ اعلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

”جس شخص کی بیٹیاں یا بہنیں ہوں وہ ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرے، اور ان کو اچھی تربیت دے، اور (مناسب جگہ) ان کی شادی کرے تو اللہ سچانہ و تعالیٰ اُس کو جنت دے گا۔“

اپنے گھروں کو بچائیے:

☆.....شاگرد: استاد محترم! جو والدین خود تو دیندار ہوں اور اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح و تربیت سے بالکل بے فکر ہو جائیں تو کیا ان کا یہ عمل ٹھیک ہے؟

☆.....استاد: ہمارے معاشرے میں جو لوگ دین دار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح و تربیت سے بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اگر آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ

لیں تو ایسی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آ جائیں گی کہ ایک سربراہ خاندان اپنی ذات میں بڑا نیک اور دین دار انسان ہے، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، سود، رشوت، قمار اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اچھی خاص دینی معلومات رکھتا ہے اور مزید معلومات حاصل کرنے کا شوقیں ہے لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالنے تو ان میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خور دبین لگا کر بھی نظر نہیں آتی۔ دین، مذہب، خدا، رسول، قیامت اور آخرت جیسی چیزیں سوچ و بچار کے موضوعات سے یک لخت خارج ہو چکی ہیں۔ ان کی بڑی سے بڑی عنایت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرز عمل کو گوارا کر لیتے ہیں۔ اس سے نفرت نہیں کرتے لیکن اس سے آگے نہ وہ کچھ سوچتے ہیں نہ سوچنا چاہتے ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اولاد کی مکمل ہدایت ماں باپ کے قبضہ قدرت میں نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں کنعان پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔ اگر کوشش کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا اور اس نے اپنے تینیں دین پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو حالات کے دھارے پر بے فکری سے بہتا چھوڑ دیا ہے تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بری نہیں ہے اس کی مثال بالکل اس احمق کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھے اور یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ جوان بیٹا اپنے

عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی رہی ہے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا اور خود احکام الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سمجھی گی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی موٹ تدبیریں سوچی ہیں؟ جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کے لیے روزگار تلاش کرتے ہیں کیا اتنی لگن کے ساتھ اس کی تربیت کے راستے تلاش کیے ہیں؟ جس خصوصی و خشوع اور سوز قلب کے ساتھ آپ ان کی صحت کے لیے دعائیں کرتے ہیں، کیا اسی طرح آپ نے ان کے لیے اللہ سے صراطِ مستقیم طلب کی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی کام آپ نے نہیں کیا تو آپ کو اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

والدین و سرپرست کیا کرائیں؟

ان ساری گزارشات کا منشاء صرف یہ ہے کہ نبی نسل جس برق رفاری کے ساتھ فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کا پہلا موثر علاج خود ہمارے گھروں میں ہونا چاہیے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے گھر کی اصلاح کا خاطر خواہ جذبہ اس کی سچی لگن اور اس کی حقیقی تربیت پیدا ہو جائے تو یقین سمجھے کہ آدھی سے زیادہ قوم خود بخود سدھر جاتی ہے۔

ان تمام عملی مذاہیر کے ساتھ ساتھ نہایت سوز اور دل لگن کے ساتھ

اولاد کے حق میں دعا بھی کرتے رہئے۔ خدا رحمن و رحیم سے توقع ہے کہ وہ والدین کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پُرسوز دامیں ضائع نہ فرمائے گا۔ خدا نے پیارے بندوں کی پیچان یہ بتائی ہے کہ وہ اولاد کے لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ پورودگار ان کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔

وَاللّٰهُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتَنَا فُرَةً أَعْجَمِينَ ۝

”اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں ہمارے رب، ہمارے جوڑوں کو اور ہماری اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں:.....

رَبَّ اجْعَلْنِي مَقِيمَ الصَّلُوةِ وَمِنْ ذَرِّيَّتِي رَبِّنَا وَتَقْبِيلَ دُعَاءِ.

”اے میرے پورودگار! مجھے بھی نماز کا پابند بنائیے اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پورودگار! میری دعا قبول کر لیجئے۔“ (سورہ ابراہیم)

انبیاء علیہم السلام کی ایسی دونہیں دسیوں دعائیں منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل خاندان کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذاب الہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔

میاں بیوی کے حقوق:

☆.....شاگرد: استاد محترم! میاں بیوی کے باہمی حقوق کیا ہیں؟

☆.....استاد: انسانوں کے باہمی تعلقات میں بیوی کا تعلق بھی ایک اہم تعلق ہے، اور اُن دونوں کا گو یا چوپی دامن کا ساتھ ہے، اس

لئے اسلام نے اس کے متعلق بھی نہایت صاف صاف اور تاکیدی ہدایتیں فرمائی ہیں اس بارے میں اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ اپنے شوہر کی پوری خیرخواہی اور فرمانبرداری کرے اور اس کی امانت میں کسی طرح کی خیانت نہ کرے۔

.....☆..... قرآن شریف میں ارشاد ہے:

فَالصِّلْحُثُ قِبْلَتُ حَفِظَتْ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ط

”نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں ، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔“ (سورۃ النساء)

اور شوہروں کو اسلام کا حکم ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ پوری محبت کرے ، اور اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اچھا کھلانے ، اچھا پہنائیں اور ان کی ولداری میں کمی نہ کریں۔

.....☆..... قرآن شریف میں ارشاد ہے:

وَعَاشُرُوْهُنَّ بِاَلْمَعْرُوفِ ط

”بیوی کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔“ (سورۃ النساء)

.....☆..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآنی تعلیم کے مطابق مسلمان مردوں اور عورتوں کو باہم حُسن سلوک کی اور ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی بڑی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

.....☆..... ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: ”جو شخص اپنی بیوی کو اپنے پاس بلائے اور وہ نہ آئے ، اور وہ رات کو اس سے ناراض رہے تو فرشتے صحیح تک اُس پر لعنت کرتے ہیں۔“

اور اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....جو عورت اس حال میں مرے اُس کا شوہر اُس سے راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔“

☆.....ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....”قتم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کوئی عورت اللہ تعالیٰ کا حق اُس وقت تک ادا نہیں کرسکتی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔“

☆.....ایک اہم موقع پر مسلمانوں کے بہت بڑے اجتماع میں خاص مردوں کو خطاب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....

”میں تم کو عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک کی خاص طور سے وصیت کرتا ہوں، تم میری اس وصیت کو یاد رکھنا، دیکھو وہ تمہاری ما تخت ہیں اور تمہارے بس میں ہیں۔“

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ!صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....”تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں۔“

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ!صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....”مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنی گھر والیوں کے ساتھ جن کا برتراؤ لطف و محبت کا ہو۔“

عام قرابت داروں کے حقوق:

☆.....شاگرد: استاد محترم! عام قرابت داروں کے کیا

حقوق ہیں؟

☆.....استاد: اسلام نے اس تعلق اور رشتے کا بھی بہت لحاظ کیا ہے اور اس کے اعتبار سے بھی کچھ باہمی حقوق مقرر کئے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں جا بجماعام قرابت داروں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور اسلام میں اس شخص کو بہت بڑا محروم پہلا یا گیا ہے جو رشتے داری اور قرابت کے حقوق کو پا مال کرے۔ قرآن شریف میں ہے:.....

”إِحْسَانًا وَذَي الْقُرْبَى“ ”اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر“
اس آیت میں عام رشتے داروں کے حقوق کا بیان ہے۔ کہ ہر رشتہ کا حق ادا کیا جائے۔ جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عدہ سلوک ہے۔ اور وہ اگر حاجت مند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے۔
پھر ہدایت کی اگر کسی وقت حاجت مندوں کو ان کی ضرورت کے مطابق دینے کا انتظام نہ ہو سکے تو اس وقت بھی ان کو روکھا جواب نہ دیا جائے۔ بلکہ ہمدردی کے ساتھ آئندہ سہولت کی امید دلائی جائے۔

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ارشاد نے فرمایا:.....”تم اللہ سے ڈرو اور اپنی رشتہ داریوں کو قائم رکھو۔“

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراغی ہو۔ اور اس کی عمر دراز ہو۔ تو اس کو رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ صلہ رحمی کرو۔ اگرچہ سلام کے ذریعے ہی ہو۔

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....”صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ جو تم سے ملتا ہے۔ تم اس سے ملتے رہو (کمال) صلہ رحمی یہ ہے کہ جو تم سے نہ ملے پھر بھی تم اس سے ملو۔“

☆.....ایک حدیث میں رسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ارشاد نے فرمایا:.....”مسکین پر خیرات کرنے سے تو ایک ہی ثواب ملتا ہے۔ اور رشتہ داروں پر صدقہ و خیرات کرنے سے دو ثواب ملتے ہیں۔ ایک صلہ رحمی کا دوسرا خیرات کا۔“

بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی حقوق:

☆.....شاگرد: اُستاد محترم! بڑوں کے چھوٹوں پر اور چھوٹوں کے بڑوں پر عام حقوق کیا ہیں؟

☆.....استاد: اسلام نے معاشرت کے سلسلہ میں ایک عمومی اور اصولی تعلیم یہ بھی دی ہے کہ ہر چھوٹا اپنے بڑوں کی تعظیم و تکریم کرے اور ان کے سامنے ادب و لحاظ سے رہے اور ہر بڑے کو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرے اگرچہ ان میں باہم کوئی رشتہ داری نہ ہو، اسلام کی نظر میں یہ چیز اتنی اہم ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ:

”جو بڑا اپنے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور چھوٹا اپنے بڑوں کا ادب و لحاظ نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور حدیث میں حضور صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:.....”جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کی بڑی عمر کی وجہ

سے اُس کی عزت کرے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُس کے واسطے بھی ایسے لوگ مقرر کرے گا جو اُس کے پڑھاپے کے وقت اُس کی عزت کریں گے۔“

ہمسایوں کے حقوق:

◦ شاگرد: استاد محترم! ہمسایوں کے کیا حقوق ہیں؟

☆..... استاد: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: ”جراحت امین مجھے حقوق ہمسایہ کی اس قدر مسلسل وصیت فرماتے کہ میں نے گمان کیا کہ وہ جلد ہمسایوں کو وراثت میں شریک کر دیں گے۔“

اس بارے میں ایک حدیث اور پڑھ لیجئے، اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھے کام کیے ہیں یا بے؟

فرمایا: ”جب تم سنو کہ تمہارے ہمسائے تمہیں اچھا کہتے ہیں تو سمجھ لو کہ تم نے اچھے عمل کیے ہیں اور جب تم سنو کہ ہمسائے تمہیں برا کہتے ہیں تو (اس کا مطلب یہ ہے) کہ تم نے برے عمل کیے ہیں۔“

اللہ رب العزت نے اپنے آخری کلام میں بار بار اپنی عبادت کے بعد حسن سلوک کے مشتق افراد میں ہمسایوں کو شامل کیا ہے۔ ایک آیت ملاحظہ ہو:

واعبدا اللہ ولا تشرکوا به شيئاً و بالوالدين احساناً وبدى
القريبى واليتيمى والمسكين والجاذى القربى والجا الجنب
والصاحب بالجنب

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کھپڑا اور حسن سلوک کرو ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ دار، ہمسایوں، اخوبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو کے ساتھ“
(النساء: ۳۶)

(ب) : حضرت عبد الرحمن بن ابی قراء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ ویحبه اللہ ورسولہ

”جس شخص کو یہ بات بھلی لگتی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کریں اسے چاہیے کہ اپنے پڑوں سے حسن سلوک کرے۔“ (شعب الایمان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

”احسن الی جارک تکن مؤمناً“

”اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک کرو، مومن کامل ہو جاؤ گے۔“ (مسند احمد، ترمذی)

(د) : ایک دوسرے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حصہ بھی حرز جان بنانے والا ہے: ”خیر الجیران عند الله خير لجاره“

”اللہ کے نزدیک بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لیے بہتر ہے۔“ (ترمذی، دارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں۔ اللہ قسم کی وہ مؤمن نہیں۔ اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بدقسمت کون ہے؟ فرمایا: جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوئی محفوظ نہیں۔“

یہی راوی ایک دوسری حدیث میں یوں بیان کرتے ہیں:
 ”ایک شخص نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فلاں عورت کی نمازوں، روزوں اور صدقہ و خیرات کی کثرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی بد زبانی سے اپنے پڑوسیوں کو ستاتی تھی۔“
 فرمایا: وہ جہنم میں ہے۔

مسلمان پر مسلمان کا حق:

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا سب سے بڑا حق اس کی جان و مال اور آبرو کی عزت و حفاظت ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:
 ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جو ان کی جان اور اموال کو مامون و محفوظ رکھے۔“

ایک دوسرा ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ملاحظہ کیجئے، اس کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں:

”جس نے میری امت کے کسی فرد کی کوئی ضرورت پوری کی اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس سے وہ خوش ہو جائے تو اس نے گویا مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو

خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔“

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا کس قدر خیرخواہ ہونا چاہیے اس کا اندازہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے مխوبی ہو جاتا ہے:

”حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے تین باتوں کی بیعت لی، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور ہر مسلمان کی بھی خیرخواہی کرنا۔“

ہر مسلمان کا حق ہے کہ اگر وہ مجبور اور صاحب احتیاج ہے تو دوسرے اس کی بنیادی ضروریات زندگی کا خیال رکھیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”جو مسلمان بھی کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانے گا اللہ اسے جنت کے پھلوں سے کھانے کو دے گا۔“

”جو مسلمان بھی کسی کپڑوں کے محتاج مسلمان کو پہننے کے لیے کپڑے دے گا اللہ اسے جنت کا لباس عطا فرمائے گا۔“
 ”جو مسلمان بھی کسی پیاسے مسلمان کی پیاس بجھائے گا، اللہ تعالیٰ اسے نفیس، پاکیزہ، مہرزدہ مشروب سے سیراب فرمائے گا۔“
 (ابوداؤڈ، ترمذی)

حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے، اس لیے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ

کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔” (شعب الایمان، للہیقی)

حقوق کی دو بڑی صورتیں ہیں:.....(۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔

اللہ رب العزت اپنے حقوق توبہ و استغفار یا کفارہ سے معاف فرمادیتا ہے لیکن اپنے بندوں کے حقوق خود نہیں بخشتا۔ إِنَّمَا يَعْلَمُ
کہ وہ ادا ہو جائیں یا بندہ دوسرے بندہ کو معاف کر دے۔

حقوق العباد تلف کرنے کا جرم چند درجند ہے۔ بندہ کا بھی اور اللہ پاک کا بھی جبکہ حقوق اللہ تلف کرنے سے انسان صرف اللہ کا مجرم ہوتا ہے۔ لہذا حقوق اللہ ضروری ہیں اور حقوق العباد اشد ضروری ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر جبکہ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ کے گرد لاکھوں کا مجمع تھا، آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہنا، فرمایا مظلوم کی بدعا سے ڈرو کیونکہ اس کی فریاد اور اللہ تعالیٰ جلت شانہ کے درمیان کچھ پرده نہیں ہے۔ فرمایا جس شخص کے ذمے اپنے بھائی کا حق ہو مثلاً اس کی ہٹک عزت کی ہو کوئی چیز لی ہو تو چاہئے کہ اپنا حق اس دن سے پہلے پاک کرالے جبکہ اس کے پاس نہ درہم ہو گئے، نہ دینار۔ اگر اعمال صالح ہونگے تو وہ حق کی مقدار کے عوض میں دلائے جائیں گے۔ اگر کوئی نیکی نہ ہوگی تو اس کے حریف کی بدیوں کا گناہ اتنی مقدار میں اس پر ڈالا جائے گا۔ ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ مغلس کون

ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے خیال میں مفلس وہ ہے جس کے نہ درہم و دینار ہوں اور نہ مال و اسباب۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اگرچہ اس نے نماز، روزے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہوگی مگر کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کو تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون کیا ہوگا۔ اس پر اس کی نیکیاں ان ظلموں کے عوض میں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلے ہی تمام ہو گئیں تو ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال کر اسے دوزخ کی آگ میں گرا دیا جائے گا۔

اسلامی ہمدردی غم خواری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعلیمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آب رحمت ہے۔ آپ کو اللہ کا پیغمبر مانتے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشته کے ذریعہ ایک برادری بنائی گئی ہے اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، للہی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں اور ان کے دل آپ میں پوری طرح جڑے رہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص لحاظ زور دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں

سے کوئی مون نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

مطلوب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کیلئے اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کیلئے اتنی خیر خواہی ہو کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کیلئے بھی چاہے اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو لا ایمان یا لا یومن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور تربیت و نصیحت (جو ان حدیثوں کا مقصد ہے) اس کیلئے یہی طرز پیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں توازن قائم رکھنے کیلئے بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ خود غرضی معاشرہ کیلئے بے حد ضرر رسال ہے، اس لئے مون کامل خود غرض نہیں ہوتا اور دوسروں کیلئے بھی اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو بذات خود اس کو پسند ہو، مطلب برا آری اور خود غرضی اسلامی اخوت کے منافی ہے۔ اس لئے آپ نے مون کامل کی نشانی یہ بتائی کہ وہ دوسرے کیلئے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو خود اسے محبوب و مرغوب ہو جو اسے ناپسند ہو اسے دوسروں کیلئے بھی ناپسند کرے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ جو نیکی اور بھلائی اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسرے

مسلمان کیلئے بھی پسند کرو۔ یہاں ایمان کے درجات و مراتب بیان کئے۔ ایمان کامل کا یہ تقاضا ہے کہ مسلمان خود غرض نہ ہو جس بات میں فائدہ اور نفع ہو۔ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کو کشادہ دل ہونا چاہئے۔ فائدہ و منافع خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی ان کو اپنی ذات تک رکھنا بھل ہے اور مومن کیلئے بخیل ہونا زیبا نہیں۔

حضرت قمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دین نام ہے خلوص اور وفاداری کا ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ اللہ کی کتاب کے ساتھ اللہ کے رسول کے ساتھ مسلمانوں کے سرداروں پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

یہ حدیث بھی جو امع المکم میں سے ہے، امام نووی نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لیتا گویا دین کے پورے منشا کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔

عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے انکا نفع اپنا نفع اور ان کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علی فرق مراتب اُنکے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں ان کو ادا کیا جائے۔

اچھے اخلاق کی اہمیت و فضیلت

اور بُرے اخلاق کی نحوس

○.....شاگرد: استاد محترم! اسلام میں اچھے اخلاق کی اہمیت کیا ہے؟
 ☆.....استاد: اچھے اخلاق و اوصاف کی تعلیم بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، اور لوگوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح و درستی اُن مقاصد میں سے ہے جن کے پورا کرنے کے لیے رسول اللہ! صَلَّى اللہُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

کیونکہ انسان معاشرہ میں پیدا ہوتا ہے اور اسی میں جیتا اور مرتا ہے، ماں کی آغوش سے لے کر لحد کی آغوش تک اس کی زندگی معاشرہ کے مختلف علاقوں اور رابطوں سے جڑی ہوئی ہے ان علاقوں اور رابطوں کی اسے ہر وقت ضرورت ہے یہ اس کی بشریت کے اجزا ہیں ان کو توڑ کر دہ ایک انسان کی طرح زندگی نہیں بسرا کر سکتا ارسٹو ہی کا قول ہے کہ جسے معاشرہ کی حاجت نہ ہو وہ یا خدا ہے یا درندہ، انسان نہیں۔

ہماری اس خصوصیت نے ہمارے وجود کے گرد حقوق و فرائض کا ایک وسیع جال بنا دیا ہے ہم پر ہمارے گھر کے حقوق ہیں، ہمارے محلہ کے حقوق ہیں، ہمارے شہر ہمارے ملک اور کل دنیا کے حقوق ہیں اور ان سب پر ہمارا حق ہے جو شخص ان حقوق اور ذمہ داریوں کو برتنے میں جتنا زیادہ کامیاب ہوا اسے اتنا ہی زیادہ شریف، شائستہ اور معیاری شہری سمجھا جاتا ہے ایک فرد اور دوسرے

فرد یا افراد اور معاشرہ کے رشتہوں اور تعلقات کے عدل و انصاف اور ہمدردی اور سلامتی کی بنیادوں پر رکھنے کے لئے دو چیزیں ہیں قانون اور اخلاق ہماری نجی اور اجتماعی زندگی کی عافیت اور اس کے صاف سترے پن کا انحصار اپنی پر ہے ۔

دنیا کے سارے مذہبوں نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے اسلام نے تو ایک طور سے اخلاق کی اہمیت کو عبادت سے بھی بڑھا دیا ہے اور جب کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ خدا کے نزدیک معافی کے قابل قرار دیا ہے باہم انسانوں کے اخلاقی فرائض کی کو تا ہی کی معافی ان بندوں کے ہاتھ رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم ہوا ہے ۔

اسلام اپنے اخلاق کو ایمان کی پیچان اور اس کے نتائج و ثمرات بتاتا ہے جن مسلمانوں کے اخلاق جتنے اپنے ہوں اتنا ہی ان کا ایمان مضبوط اور اس کی عبادت مقبول ہو گی ۔

اگر کوئی شخص ایمان کا دعویدار ہو اور خدا تعالیٰ کی عبادت کا اہتمام بھی رکھتا ہو، مگر اخلاق کی دولت سے محروم ہو، اور اہل و عیالِ اعز و اقربا، دوست، احباب، پڑوی اور اہلِ وطن اور ساری انسانی برادری خی کے جانوروں تک سے جو اس کا تعلق ہے اسے بحسن و خوبی انجام نہ دیتا ہو تو یہ عملی ثبوت اسی بات کا ہو گا ۔ کہ اس کا ایمان اس کی زبان سے اتر کر نفس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے گویا کہ ہمارے اخلاق ہماری ایمانی حالت کی کسوٹی ہیں ہم اپنے اخلاق کے آئینہ میں اپنے روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں ۔

۵۔ شاگرد: استاد محترم! دین میں اخلاق کا درجہ کیا ہے؟

☆..... استاد: رسول ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے، اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تذکیرہ کرنا ہے، اور اس تذکیرہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ ﷺ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کہ کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشنگواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہو گا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں، تو خود وہ بھی زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہو گا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے وہ نتائج دینیوں نتیجے ہیں جن کا ہم اور آپ روز مرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدر جہا زیادہ

اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارجمند الرحمین کی رضا اور جنت ہے، اور بد اخلاقی کا انعام اللہ واحد القہار کا غصب اور دوزخ کا عذاب ہے۔ اللهم احفظنا!

تعلیمِ محمدی ﷺ اور اخلاق:

۵.....شاگرد: استادِ محترم، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے متعلق کیا ارشادات ہیں؟ اور خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت کیا ہے؟
 ☆.....استاد: اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول ﷺ کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ ﷺ اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ ﷺ نے بعض خاص خاص اخلاق حسنے اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔
 اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابو داؤد، دار المی)

مطلوب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے

کہ جس کا ایمان کامل ہو گا، اس کے اخلاق لازماً اچھے ہوں گے اور اسی طرح جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت کامل ہو گا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لئے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے، اس لئے اگر کسی شخص میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اس لئے اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حضرت ابو الداؤدؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "قيامت کے دن مومن کے میزان عمل میں سب سے زیادہ بھاری اور وزنی چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفل نماز پڑھتے ہوں، اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابو داؤد)

☆....."اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بندوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

☆....."لوگوں کو قدرتِ الہی کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں۔"

☆....."تم میں میرے سب سے پیارے اور مجھ سے سب سے قریب وہ ہیں جو تم میں خوش خلق ہیں اور مجھے ناپسند اور قیامت

میں مجھ سے دور وہ ہوں گے جو تم میں بد اخلاق ہوں۔“
☆.....”جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے باز نہ رکھے
اس کی نماز نماز نہیں۔“

☆.....”میں حسن اخلاق کی تمجیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔“

☆.....”اچھے خلق کو ہی اسلام کہتے ہیں۔“

☆.....”حسن اخلاق کے پایہ اور مرتبہ کا اندازہ اوپر کی ان
احادیث سے ہو گیا ہو گا، اچھے اخلاق ایمان کے لوازم ہی نہیں بلکہ
وہ انسان کو ان بلندیوں تک بھی پہنچا دیتے ہیں جن تک وہ کثرت
عبادت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔“

☆.....”انسان حسن خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر
روزہ رکھنے اور رات بھرنماز پڑنے سے ملتا ہے۔“

☆.....”قیامت کے ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری اور
چیز نہ ہو گی۔“

☆.....”اچھے اخلاق والا دنیا اور آخرت کی نیکیاں لے گا۔“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عہد مبارک میں دو صحابی
بی بیاں تھی ایک دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر عبادت کرتی اور
صدقة دیتیں مگر زبان دراز ایسی تھیں کہ پڑوسیوں کے دل چھٹنی کئے
رہتیں، دوسری بی بی صرف فرض نماز پڑھتی اور غریبوں کو کپڑے بانٹ
دیا کرتیں مگر ایذا ان سے کبھی کسی کونہ پہنچتی حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی کے بابت فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی
نہیں وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھکتے گی اور دوسری کی بابت فرمایا کہ وہ

جنتی ہو گی ۔

اسلامی اخلاقیات کی ایک اور خوبی جو اسے دوسرا مکاتب اخلاق پر فوکسیت دیتی ہے اس کے معلم اخلاق یعنی نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عظیم الشان اور آسان اسلوب تعلیم ہے جس کی مثال تاریخ کو لاکھ کنگا لئے سے بھی نہیں ملتی ۔ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قول کے ساتھ عمل کو اتنے مکمل طریقہ پر ملا لیا تھا کہ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک قرآن مجید کی جیتی جاگتی زندہ وتا بندہ تفسیر بن گئی تھی ۔

چند اہم اور ضروری اخلاق:

○ شاگرد: استاد محترم! ضروری اخلاق کون کون سے ہیں؟ اور ہمارے پیارے نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟
 ☆ استاد: قرآن و حدیث میں تمام اچھے اخلاق اور عمدہ روحانی صفات کی تعلیم دی گئی ہے اور سب سب میں اخلاق اور بری عادات سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے جن میں سے کچھ بنیادی درجہ کے چند اخلاق یہ ہیں:

سچائی اور راست بازی:

اسلام میں سچائی کی اتنی اہمیت ہے کہ ہر مسلمان کو ہمیشہ سچ بولنے کے علاوہ اس کی بھی تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ اور سچوں کی صحبت میں رہے، قرآن مجید میں ہے:.....

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُوْنُوا مَعَ الصَّدِيقِينَ ۝

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔“

☆.....رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:.....”جو یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے اُس کو محبت ہو، یا اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُس سے محبت کریں تو اس کو لازم ہے کہ جب بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے۔“

اسلام کی ہر شے میں خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادات سے، یا اخلاق و معاملات سے مرکزی چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے - ہر وہ کام اچھا ہے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ پسند فرماتا ہے - اور وہ برا ہے جس کو ناپسند فرمائے - اس بناء پر اسلام کے نظریہ سے اخلاق کی دو قسمیں ہیں - وہ اخلاق جن کو خدا تعالیٰ پسند فرماتے ہیں یہ فضائل کہلاتے ہیں اور وہ کام جن کو خدا تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں یہ رذائل ہیں - جن اوصاف کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں یہ فضائل بہت سے ہیں - اخلاقی خوبیوں کے سرفہرست ہونے کی حیثیت جس فضیلت کو حاصل ہے وہ سچائی ہے - انسان کے ہر قول و عمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کیلئے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے کے مطابق اور ہم آہنگ ہوں - اسی کا نام صدق یا سچائی ہے - جو سچا نہیں اس کا دل ہر برائی کا گھر ہو سکتا ہے اور جو سچا ہے اس کیلئے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے - سچائی کے معنی عام طور پر صرف سچ بولنے کے سمجھے جاتے ہیں - مگر اسلام کی نگاہ میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں جس کے لحاظ سے اس کے اندر اکیلے قول ہی نہیں بلکہ عمل کی بھی ہر سچائی ہے - چنانچہ اس کی تین قسمیں ہیں : (۱) زبان کی سچائی (۲)

دل کی سچائی (۳) عمل کی سچائی

(۱) زبان کی سچائی : یعنی زبان سے جو بولا جائے وہ صحیح بولا جائے - اور منہ سے کوئی حرф صداقت کے خلاف نہ نکلے - یہ سچائی کی عام اور مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے - وعدہ کو پورا کرنا ، عہد اور قول و اقرار کو نبایہنا بھی اسی قسم میں داخل ہے اور ایمان و اسلام کی بڑی نشانی ہے - اس کے برخلاف ہر قسم کا جھوٹ دل کے نفاق کے ہم معنی ہے -

(۲) دل کی سچائی : صدق کی دوسری قسم دل سے تعلق رکھتی ہے اور اس حیثیت سے صدق اور اخلاص دونوں ایک ہی چیزیں بن جاتے ہیں اور اس حالت میں بعض موقعوں پر زبان سے صحیح کا اظہار بھی اس لئے جھوٹ ہو جاتا ہے کہ وہ دل کی تہہ سے انکا - منافق رسول اللہ ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں آکر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رسالت کا زبانی اقرار کرتے تھے - چونکہ یہ اقرار ان کے خیر کے خلاف تھا اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا : اور اللہ تعالیٰ جتنا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سچائی اس کا نام ہے کہ زبان سے صحیح دل کی ترجمانی کی جائے - اگر ایسا نہ ہو تو اسی کا نام نفاق ہے جس کی برائی سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے - اسی طرح اگر کسی عمل کی دلی غرض کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ اور کیا جائے تو وہ بھی جھوٹ ہے - ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تین شخص ایک عالم ، ایک شہید اور ایک دولت مند پیش ہوں گے اور ہر ایک اپنے علم دولت اور جانبازی کے کارنا میں بیان کرے گا لیکن ان کے کارنا میں

کو سن کر خدا کہے گا ، تم جھوٹ بکتے ہو اور فرشتے بھی یہی کہیں گے ۔ چونکہ ان میں اخلاص نہ تھا اور وہ محض شہرت حاصل کرنے کی غرض سے کئے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹ کہا ۔

(۳) عمل کی سچائی:..... یہ ہے کہ جو نیک عمل ہو وہ خیر کے مطابق ہو ، یا یوں کہئے کہ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں ۔ مثلاً ایک شخص نماز میں خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصود صرف نمائش ہے تو یہ شخص ظاہر ہے کہ کھلا ریا کار اور جھوٹا ہے ۔ اس لئے زبان کی سچائی اور دل کی سچائی کے ساتھ عمل کی سچائی بھی ضروری ہے ۔ اسلئے جن مسلمانوں نے غیر متزلزل ایمان کے بعد خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا وہ خدا کے نزدیک سچے ہمہرے ۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَبُوا وَأَوْجَاهُهُوَا بِآمُونَهِمْ وَأَنْفَسِهِمْ فِي سَيِّلِ اللَّهِ طَأْوِيلِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ۝

”ایمان لانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانا ہے ، پھر کسی شک میں نہیں پڑے ، اور جنہوں نے اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے ۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں ۔“ یہ سچے اس لئے ہمہرے کہ زبان اور دل سے جس ایمان کا اقرار کیا تھا عمل سے اس کی تصدیق کر دی ۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ ! صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی تعلیم نے سچائی کی تلقین کس وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی ہے زبان کی سچائی دل کی سچائی اور عمل کی سچائی اور جب

ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔

نرم مزاجی:

آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ جبیں اور نرم خو تھے، بخت مزاج اور سُنگدل نہ تھے، نہ شور و غل کرتے تھے، نہ کوئی بر اکلمہ منه سے نکا لئے تھے نہ عیب جو سخت گیر تھے کوئی بات ناپسند ہوتی تو انگماض فرماتے تھے آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں۔

(۱).....بحث و مباحثہ۔

(۲).....بے ضرورت باتیں کرنا۔

(۳).....بے مطلب کی بات میں پڑنا۔

دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پر ہیز کرتے تھے۔

(۱).....کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔

(۲).....کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔

(۳).....کسی کی نوہ میں نہیں لگتے تھے۔

دوسروں کی منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور اگر کوئی دفتار سامنے آ جاتا تھا تو مرعوب ہو جاتا تھا لیکن جیسے قریب ہوتا جاتا آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو خادم خاص تھے کہتے ہیں کہ میں نے دس برس تک آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی مگر آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی معاملے میں با پوچھ گچھ

نہیں فرمائی۔

زمری اور سختی کے موقع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب پیچانتے تھے جہاں حدودِ الہی کے ٹوٹنے کا سوال ہوتا تھا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور جہاں مستحبات اور اخلاقی فضائل اور رذائل ہی سے تعلق ہوتا تھا وہاں زمری سے کام لیتے تھے۔

اسی طرح لین دین میں اور ہر طرح کے برتاؤ میں زمری اور آسانی کرنا بھی اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....”زمری کرنے والوں اور آسانی کرنے والوں پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔“

خوش کلامی:

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں سے ایک خاص تعلیم یہ بھی ہے کہ بات چیت ہمیشہ خوش اخلاقی سے اور میسھی زبان میں کی جائے اور سخت کلامی اور بد زبانی سے پرہیز کیا جائے۔

.....☆.....قرآن مجید میں ارشاد ہے:.....

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا

”اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔“

.....☆.....حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....زمری اور خوش اخلاقی سے بات چیت کرنا نیکی ہے اور ایک قسم کا صدقہ ہے۔

.....☆.....ایک دوسری حدیث میں نبی حکیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....بد زبانی نفاق ہے۔ (یعنی منافقوں کی خصلت ہے)۔

☆ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر نے آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ وہ اپنے قبلے کا اچھا آدمی نہیں ہے مگر آنے دو۔ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی سے گفتگو کی اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب ہوا اور اس کے واپس جانے کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اسے اچھا آدمی نہیں سمجھتے تھے پھر اتنا شکفتہ مزاجی سے کیوں باتیں کیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ آدمی سب سے برا ہے جس کی بد زبانی کے باعث لوگ اس سے ملتا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ بد زبانی اور سخت کلامی کی اس ظالمانہ اور منافقانہ خصلت سے ہماری حفاظت فرمائے اور خوش کلامی اور نرم گفتاری ہم کو نصیب فرمائے جو ایمان کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کی نیک بندوں کا طریقہ ہے۔

صبر آدھا ایمان ہے:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:.....

”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ اللہ تعالیٰ یقیناً صبر والوں کے ساتھ ہے۔“

☆نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:.....

الایمان نصفان فنصف فی الصبر فنصف فی الشکر۔

”ایمان کے دو حصے ہیں آدھا ایمان صبر ہے آدھا ایمان شکر۔“

دنیا کی زندگی میں کوئی بھی انسان رنج و غم ، مصیبت اور تکلیف ، آفت و ناکامی اور نقصان سے بے خوف اور مامون نہیں رہ سکتا ۔ البتہ مومن اور کافر کے کردار میں یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ کافر رنج و غم کے ہجوم میں پریشان ہو کر حواس کھو بیٹھتا ہے ، مایوسی کا شکار ہو کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھتا ہے اور بعض اوقات غم کی تاب نہ لاء کر خود کشی کر لیتا ہے اور مومن بڑے سے بڑے حد تھے پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و ثبات کا پیکر بن کر چنان کی طرح جما رہتا ہے اور وہ یوں سوچتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہوا ۔ خدا کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں اور یہ سوچ کر کہ خدا تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اپنے بندے کی بہتری کیلئے کرتا ہے ۔ یقیناً اس میں خیر کا پہلو ہوگا ، مومن کو ایسا روحانی سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ غم کی چوٹ میں لذت آنے لگتی ہے اور تقدیر کا یہ عقیدہ ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے ۔ خدا تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد جو مصائب بھی روئے زمین پر آتے ہیں ، اور جو آفتین تم پر آتی ہیں ، وہ سب اس سے پہلے کہ ہم انہیں وجود میں لا سیں ، ایک کتاب میں لکھی ہوئی محفوظ اور طے شدہ ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات خدا کیلئے آسان ہے تاکہ تم اپنی ناکامی پر غم نہ کرتے رہو ۔ یعنی تقدیر پر ایمان لانے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ مومن بڑے سے بڑے سائز کو قضاء و قدر کا فیصلہ سمجھ کر اپنے غم کا علاج پایتا ہے اور پریشان نہیں ہوتا ۔ وہ ہر معاملے کی نسبت اپنے مہربان خدا کی طرف کر کے خیر کے پہلو کی طرف نگاہ جما لیتا ہے اور صبر و شکر کر کے ہر شر میں سے اپنے لئے خیر نکالنے کی کوشش کرتا ہے ۔

☆..... ارشاد نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہے :.....

مومن کا معاملہ بھی عجیب اور خوب ہے ، وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے ، خیر ہی سمیتا ہے - اگر وہ دکھ بیماری اور شگدی سے دوچار ہوتا ہے تو سکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور یہ آزمائش اس کے حق میں خیر ثابت ہوتی ہے - اور اگر اس کو خوشی اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ خوشحالی اس کیلئے خیر کا سبب بنتی ہے - جب رنج و غم کی خبر سنیں ، یا کوئی نقصان ہو جائے ، یا کوئی دکھ اور تکلیف پہنچے ، یا کسی ناگہانی مصیبت میں خدا نخواستہ گرفتار ہو جائیں تو فوراً إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَجُعُونَ ۝ پڑھے - ” ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ” مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے سب خدا تعالیٰ ہی کا ہے ، اسی نے دیا ہے اور وہی لینے والا ہے - ہم بھی اسی کے ہیں ، اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے - ہم ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی ہیں ، اس کا ہر کام مصلحت و حکمت اور انصاف پر مبنی ہے - وہ جو کچھ کرتا ہے کسی بڑے خیر کے پیش نظر کرتا ہے - وفادار غلام کا کام یہ ہے کہ کسی وقت بھی ماتھے پر شکن نہ آئے -

☆..... خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے :.....

اور خوشخبری ان لوگوں کو دیجئے جو مصیبت پڑنے پر صبر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم خدا ہی کے ہیں ، اور خدا ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے - ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اور اس کی رحمت ہوگی اور ایسے ہی لوگ

راہِ ہدایت پر ہیں - ”

☆..... فرمان نبیو صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

جب کوئی بندہ مصیبت پڑنے پر إِنَّا إِلَّهٖ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝
پڑھتا ہے تو خدا تعالیٰ جل شانہ اس کی مصیبت کو دور فرمادیتا ہے اس
کو اچھے انعام سے نوازتا ہے اور اس کو اس کی پسندیدہ چیز اس کے
صلے میں عطا فرماتا ہے۔ ایک بار نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا چراغ بجھ گیا تو آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا إِنَّا إِلَّهٖ
وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ کسی نے کہا یا رسول اللہ ! کیا چراغ کا بجھنا
بھی کوئی مصیبت ہے ؟ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی
ہاں ، جس بات سے بھی مومن کو دکھ پہنچے وہ مصیبت ہے۔ اور فرمایا
جس مسلمان کو بھی قلبی اذیت جسمانی تکلیف اور بیماری کوئی رنج غم
اور دکھ پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کاشا بھی چجھ جاتا ہے
اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف
فرمادیتا ہے۔

هر حال میں راضی برضا ہو تو مرا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

تحمل اور برباری:

نگوار باتوں کو برداشت کرنا اور ایسے موقع پر غصہ کو پی جانا
بھی ان اخلاق میں سے ہے جن کو اسلام سب مسلمانوں میں پیدا
اکرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اہل ایمان کا بڑا درجہ
ہے جو اپنے اند ریہ صفت پیدا کر لیں۔

☆..... قرآن شریف میں ہے:.....

وَالْكَٰظِمِينَ الْعَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط

اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے
عادی ہیں ۔

ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی
بشارت ہے کہ:.....جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا، اللہ تعالیٰ اس سے
اپنا عذاب روک لے گا۔“

حضرت عائشہ صدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے
بدل نہیں لیا مگر جو کوئی شریعت کی حد توڑتا تھا اسے سزا دیتے تھے ۔
قریش نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو
گالیاں دین مارنے کی دھمکیاں دین راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم
اطہر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر نجاستیں ڈالیں، گلے
میں پھندے ڈال کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر نجاشیہ وبارک وسلم
کی شان میں گستاخیاں کیں (نفعوز باللہ) کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی
شاعر کہا لیکن آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر نجاشیہ وبارک وسلم نے
کبھی ان باتوں پر بہمی نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی
جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔
ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
وبارک وسلم کو ذوالماجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے
دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
واصحابہ وبارک وسلم فرم� رہے تھے لوگو! ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہو تو نجات
پاؤ گے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل تھا وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

واصحابہ وبارک وسلم پر خاک اُڑا اُڑا کر کہہ رہا تھا ”لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس حالت میں اس کی طرف مرکر دیکھتے بھی نہ تھے۔

ایک دفعہ ایک بد خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں آیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ آداب مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا، جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بھا دو۔ خدا نے تم لوگوں کو دُشواری کے لیے نہیں بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔

الغرض! حلم و بردباری، غفو درگزر، چشم پوشی اور خوش خلقی غرض ان تمام اخلاق کے عطر کا نام ہے جن میں شان جمالی پائی جاتی ہے۔ یہی رفق و تلطیف نرم خوئی اور نرم دلی ہے جس طرح حسن فطرت زینت و آرائش سے دوبرا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رفق و نرمی کی خو سے انسان کا اخلاقی حسن دوچند ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک دفعہ یہ حقیقت ان لفظوں میں سمجھائی:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا ذَانَةً وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَةً.

”نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنادیتی ہے۔“
اخلاق کا یہ حسن اور تحمل کی یہ دولت جن سے پاس ہو وہ لوگوں کو بن داموں اپنا غلام بنالیتے ہیں۔

بڑے خوش نصیب ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو غصہ آنے کے وقت ان آئیوں اور حدیثوں کو یاد کر کے اپنے غصہ کو روک لیں اور اس کے بدلہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے اپنے عذاب کو روک لے۔

امانت داری:

اسلام میں امانت داری کی تاکید بھی خصوصیت سے فرمائی گئی ہے، قرآن شریف میں ارشاد ہے:.....

☆.....إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤْدُوا الْأَمْنَاتِ إِلَى أَهْلِهَا لَا مُوْهَرَةٌ كُوْرِچَمْ (چکوال)
”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ٹھیک ٹھیک آدا کرو۔“

☆.....ایک اور ارشاد ہے:.....
وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُنْتَهِمْ وَعَاهِدُهُمْ رَاعُونَ ۝

”اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔“
☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

المجالسِ بِالْأَمَانَةِ

”نشتیں امانت ہیں۔“

☆.....ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:..... ”لوگو! جس میں امانت کی صفت نہیں اُس میں گویا ایمان

ہی نہیں۔“

امانت کا تعلق آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک صرف مادی اشیاء سے نہیں تھا قانونی اور اخلاقی امور بھی اس میں شامل تھے آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ کسی کا کوئی بھید معلوم ہو تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے یا کسی کی بابت کوئی شخص کو کئی نامناسب بات کہے یا بری رائے ظاہر کرے تو اس کو اس تک پہنچا کر فتنہ و فساد کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے یا کوئی کسی نجی معاملہ میں مشورہ کرے تو اسے اپنے ہی تک محدود رکھنا اور حقیقی المقدور بہترین مشورہ دینا بھی امانت داری میں شامل ہے اس طرح ملازم کا خیر خواہی اور مستعدی سے خدمت انجام دینا، بیوی بچوں اعزاء، احباب اور ہمسایہ وغیرہ کے حقوق ادا کرنا یہ سب امانتیں ہیں اور ان میں کوتا ہی کرنا امانت داری کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچے مونمن اور اُس کی رحمتوں کے مستحق ہو نا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ہر معاملے میں امانت داری اور ایمان داری اختیار کریں اور اس کو اپنی زندگی کا اصول بنا کیں۔

رحم کھانا اور قصور وار کو معاف کرنا:

رحم بھی انسان کے بنیادی اخلاق میں سے ہے۔ کسی کو مصیبت کی حالت میں دیکھ کر اور دکھ درد میں دیکھ کر اُس پر رحم کھانا اور اُس کے ساتھ ہمدردی کرنا اور کسی خطہ کار کی خطہ کو معاف کر دینا بھی اُن اخلاق میں سے ہے جن کی اسلام میں بڑی اہمیت اور بڑی فضیلت ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:.....

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ ”وَهُوَ بِهِتْ مُهْرِیان اور نہایت رحم والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے خاص ناموں میں سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بعد جو نام سب سے زیادہ اہم ہے اور عام ہے، وہ رحمان یعنی بڑا رحم والا ہے، دوسرا نام رحیم آتا ہے یعنی رحم سے بھرا ہوا۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ خدا کی رحمت کے جلووں کے سوا کچھ نہیں۔

دنیا میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کسی معاوضہ کا خیال کئے بغیر جو کچھ نیکی کے کام کرتے ہیں ان کو کرید کر دیکھتے تو سب کی تہہ میں رحم کا جذبہ کام کرتا نظر آتے گا۔ جس کے دل میں اس جذبہ کا کوئی ذرہ نہ ہوگا اس سے دوسروں کے ساتھ بے رحمی، سُنگدی اور شقاوت جو کچھ نہ ظاہر ہو وہ کم ہے۔ اسی لئے اسلام کی اخلاقی تعلیم میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

مسلمانوں کو پتالیا گیا ہے کہ وہ دعاؤں میں کہیں، اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ بنی نوع انسان میں محاسن اخلاق کا سب سے بڑا مظہر پیغمبروں کی ذات ہے اور پیغمبروں میں سب سے اعلیٰ و اشرف ہستی رسول اکرم صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ہے اور خدا تعالیٰ جل شانہ نے آپ صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو اسی وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور مسلمانوں پر بہت شفیق اور رحیم ہیں۔ اسی وصف کی مالک امت محمدیہ بھی ہے۔ اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ خود اپنی قوم کی ہمدردی، محبت اور اعانت کا جذبہ اسی اخلاقی

وصف سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اخلاقی وصف یہ قرار دیا ہے کہ وہ لوگ آپس میں رحمہل ہیں۔ اور حدیث میں اس وصف کو نہایت عمدہ مثال میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی باہمی رحمتی، باہمی دوستی اور باہمی مہربانی کی مثال انسان کے جسم کی ہے کہ جب کسی عضو کو درد، دکھ پہنچتا ہے تو تمام جسم متاثر ہوجاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جذبہ رحم نے اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے مسلمانوں کو اس قدر تمحبد کر دیا ہے کہ مجموعی طور پر وہ ایک جسم ہو گئے ہیں۔ اور انفرادی طور پر مسلمانوں کے تمام افراد اس جسم کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اسی لئے جس طرح ایک عضو کے دکھ درد میں تمام جسم شریک ہوجاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کے دکھ درد میں تمام مسلمانوں کو شریک ہونا چاہئے۔

رحم کی ایک خاص قسم یعنی چھوٹوں پر ترس کھانا امت محمدیہ کا ایک خاص عصر ہے۔ اس لئے فرمایا جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ اور اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ رحم ہمیشہ چھوٹوں اور زیر دستوں پر کھایا جاتا ہے تو اس حدیث کی وسعت صرف عمر کے چھوٹوں تک نہیں بلکہ ہر حیثیت کے چھوٹوں تک وسیع ہے۔ اسلام نے جس رحم دلی کی تعلیم دی ہے وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور اس میں تمام بني نوع انسان شامل ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں عام رحم کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرے

گا۔ فرمایا رحم کرنے والوں پر خدا تعالیٰ بھی رحم کرے گا۔ زمین والوں پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم دلی کی یہ تعلیم صرف بُنی نوع انسان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں بے زبان جانور بھی شامل ہیں۔ چنانچہ فرمایا اگر کوئی شخص ذبیح جانور پر رحم کرے گا تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ جلن شانہ اس پر رحم کرے گا۔ جانوروں کے لڑانے کا جو بے رحمانہ طریقہ جاری ہو گیا تھا اور اب بھی جاری ہے وہ اس رحمتی کے باکل مخالف تھا۔ اس لئے اسلام نے اس تفریجی مشغلہ کو ناجائز کیا اور رسول اللہ ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ اس عام رحمتی کی تعلیم آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو ایسے مختصر اور جامع لفظوں میں دی ہے جو بлагت کی جان ہیں۔ فرمایا :

من لا يرحم لا يورحم.

رحم دلی کا ہر منظر اور شفقت و کرم کا ہر جذبہ انہی دو لفظوں سے ابھارا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرے گا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا تو دوسرے بھی اس پر رحم نہیں کھائیں گے۔ اس میں تمام خلق پر رحم کرنے کی ترغیب دی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

اخلاص اور حُسن نیت:

.....شاگرد: استادِ محترم! اخلاص کس کو کہتے ہیں؟

☆.....استاد: اخلاص تمام اسلامی اخلاق کی بلکہ پورے اسلام کی روح اور جان ہے، اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کام بھی کریں وہ شخص

اللہ تعالیٰ کے واسطے اور اس کی رضا کے لیے اور صحیح نیت سے کریں اور اس کے سوا ہماری کوئی اور غرض نہ ہو۔

اسلام کی جڑ توحید ہے اور توحید کی تکمیل اخلاق سے ہی ہوتی ہے یعنی کامل توحید یہی ہے کہ ہمارا ہر کام اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
انما الاعمال بالنيات.

”تمام اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے۔“
حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اسی کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو اور جو عمل صالح کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا اگرچہ ظاہری نظر میں صالح ہی معلوم ہو۔
الغرض اللہ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی رضا الہی کیلئے کیا گیا ہو دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

طاعات و عبادات کی قبولیت کیلئے نیت کا نیک ہونا شرط ہے، اسی طرح ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کیلئے بھی حسن نیت اور اخلاص ضروری ہے، عبادت سے صرف مقصود رائے الہی ہونی چاہئے اگر اس میں ریا کاری شامل ہو جائے تو عبادت گناہ بن جاتی ہے اگر ایک ہی عبادت کو کئی نیک ارادوں سے ادا کیا جائے تو اس ایک کام

کے کرنے سے کئی نیکیاں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں اس لئے بیٹھتا ہے کہ یہ خانہ خدا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ اگلی نماز کا منتظر بھی رہتا ہے وہ تیسری بات یہ ملاحظہ رکھتا ہے کہ مسجد میں مقیم رہنے سے اس کے اعضاء سے کوئی غیر شرعی فعل صادر نہیں ہو گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی توجہ صرف ذات الہی کی جانب مرکوز رہے گی پانچویں بات یہ ہے کہ مسجد میں ٹھہر کر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المکر کا فریضہ انجام دے گا۔ اب بظاہر مسجد میں بیٹھ رہنا ایک فعل ہے۔ لیکن کثرت نیبات کے باعث اس کا اجر و ثواب کئی گنا ہو جائے گا۔

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے منع کیا اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

”لوگو! اپنے اعمال میں اخلاص پید کرو اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول کرتا ہے جو اخلاص سے ہو۔“

حسن نیت سے ایک مباح فعل بھی نیکی میں بدل جاتا ہے بعض سلف صالحین فرمایا کرتے تھے کہ میں جملہ امور حیات مثلاً کھانے سونے، جانے اور اٹھنے بیٹھنے میں حسن نیت کا خیال رکھتا ہوں تاکہ یہ سب امور عبادت بن جائیں۔ مثلاً عبادت کی قوت حاصل کرنے کیلئے کھانا عبادت میں داخل ہے۔ اے اللہ! ہم سب کو اخلاص نصیب فرم اور ہمارے ارادوں اور ہماری نیتوں کو محض اپنے فضل و کرم سے درست فرمادے اور ہم کو اپنے مخلص بندوں میں سے کر دے۔ (آمین)

محبت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

۵.....شاگرد: استاد محترم! محبت رسول سے کیا مراد ہے؟

☆.....استاد: یوں تو اس سوال کا جواب ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی پسند سے دے سکتا ہے، لیکن صحیح طریق یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت کا مفہوم آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ارشاد سے متعین کیا جائے، اور ان لوگوں کے حالات معلوم کئے جائیں جن کے بارے میں دنیا مانتی ہے کہ وہ واقعی رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت کرنے والے تھے، کتنی صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت رکھنے کا کیا مطلب ہے؟

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا! میرے پیارے بیٹے: اگر تو اس طرح زندگی گذار کے کہ تیرے دل میں کسی کی بد خواہی نہ ہو، تو ایسے ہی زندگی بسر کر، پھر فرمایا بیٹے یہی میرا طریقہ ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو بلاشبہ اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔

معلوم ہوا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے محبت کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کوئی بات حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مرضی اور ہدایت کے خلاف نہ کرے لقولہ السلام:

لا يؤمن أحدكم حتى يكون هداه بعما جئت به

دوسری بات جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کا مطلب اس کے سو اچھے نہیں کہ انسان زندگی کے اسی طریقہ سے محبت کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھا۔

يَا يَهَا الَّذِينَ امْنَوْا لَا تُقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ۵ يَا يَهَا الَّذِينَ امْنَوْا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرٍ بَعْضُكُمْ لِيَعْضُ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ ۱۵ إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبُهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَآجَرٌ عَظِيمٌ ۝

” اے ایمان والو ! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو ، اور اللہ سے ڈرتے رہو - اللہ یقیناً سب کچھ سنتا ، سب کچھ جانتا ہے اے ایمان والو ! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو ، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال بریاد ہو جائیں ، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے - یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس اپنی آوازیں پنجی رکھتے ہیں ، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کیلئے منتخب کر لیا ہے - ان کو مغفرت بھی حاصل ہے ، اور زبردست آجر بھی۔“

پس محبت النبی کی ایک علامت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام اور ارشاد کی عزت ہمارے دل میں ہو اور جب کوئی حکم صحیح طور پر نبی مصوم سے جس کی اطاعت خدا تعالیٰ

جل شانہ نے ہم پر فرض کی ہے ہم کو مل جائے اس وقت اس کی قبولیت میں ہم کو ذرا تامل اور عذر باتی نہ رہے۔
محبت النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ایک علامت یہ ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا ذکر خیر اکثر زبان پر جاری رہے، حدیث میں ہے:.....

من احباب شیئاً اکثر ذکرہ (زرقانی)

محبت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ایک علامت یہ ہے کہ آلِ نبی کے ساتھ سچے دل اور شفاف قلب سے محبت ہو۔
آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی عملی محبت ایمان کا جزو ہے، دین میں اس محبت کا کوئی درجہ نہیں جس میں اطاعتِ رسول شامل نہ ہو۔

تیری ذات سے محبت تیرے حکم کی اطاعت
یہی زندگی کا مقصد یہی اصل دین و ایمان
آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات

○.....شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وہ کون

سی خصوصیات ہیں جو دنیا میں آنے سے قبل آپ کو عطا ہوئیں؟

☆.....استاد: آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات تو بہت

ہیں ان میں چند ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں :

☆..... عالم ارواح میں سب سے پہلے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا نور پیدا ہونا -

☆..... سب سے پہلے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو نبوت

عطا ہونا -

- ☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا ہونا -
- ☆..... عہد است میں بلی کہہ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب دینا -
- ☆..... خلق عالم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود ہونا -
- ☆..... پہلی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت ہونا - (نشر الطیب ص ۱۸۳)
- شاگرد: استاد محترم! : آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ خصوصیات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں آنے کے بعد عطا ہوئیں - کون کون سی ہیں؟
- ☆..... استاد: چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں، ملاحظہ ہوں :
- ☆..... بوقت پیدائش آپ کا جسم اطہر کا نجاست و گندگی سے بالکل پاک و صاف ہونا -
- ☆..... جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدہ کی حالت میں انکشٹ شہادت کا آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہونا -
- ☆..... ولادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ کا ایک ایسے نور کو دیکھنا جس کی روشنی سے کسری کے محلات نظر آگئے -
- ☆..... گھوارہ میں فرشتوں کا جھونکا دینا -
- ☆..... گھوارہ میں کلام کرنا (یہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی

بھی خصوصیت ہے) -

☆.....گھوارہ میں فرشتوں کی طرف انگشت سے اشارہ کرنا اور
چاند کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مائل ہونا -

☆.....اپنی پشت کی طرف سے اس طرح دیکھ لینا جس طرح
سامنے سے دیکھتے تھے -

☆.....کھارے پانی میں لعب مبارک ڈالنے سے پانی کا
میٹھا ہو جانا -

☆.....آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعب دہن دودھ پیتے
بچہ کے منہ میں ڈالنے سے اس کو بھوک نہ لگانا اور اس کا دودھ طلب
نہ کرنا -

☆.....آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغل میں بالوں کا نہ
ہونا بغل کا سفید اور چمکدار ہونا -

☆.....آواز اتنی دور تک پہنچ جانا کہ دوسروں کی آواز آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتی تھی -

☆.....آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنی دوری سے
بات کو سن لینا کہ دوسرے اتنی دور سے نہیں سن سکتے تھے -

☆.....تمام عمر جماں کا نہ آنا -

☆.....تمام زندگی خواب میں احتلام نہ ہونا -

☆.....آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیسے کا مشک سے
زیادہ خوشبودار ہونا -

☆.....آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول و براز (پیشتاب
پاخانہ) کو زمین کا اس طرح نگل جانا کہ اس جگہ شان تک باقی نہ

رہتا تھا -

☆..... دھوپ میں چلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر بادل کا سایہ کر لیتا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی درخت کے نیچے بیٹھتے تو اس درخت کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھک جانا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑنا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر مکھی وغیرہ

کا نہ بیٹھنا -

☆..... جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جانور پر سوار ہوتے تو اس کا بول و برآز نہ کرنا -

☆..... معراج کی سیر کرنا -

☆..... دیدار الہی سے مشرف ہونا -

☆..... ملائکہ کا میدانِ جہاد میں اسلامی فوج کے ساتھ شامل ہو کر قاتل کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا -

☆..... چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا -

☆..... جملہ روئے زمین کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مسجد بلادینا -

☆..... پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ستر نظر نہ آنا -

☆..... سب خلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افضل ہونا -

☆..... غنائم کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

حلال ہونا -

☆..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت جبریل امین کو ان کی اصل صورت و شکل میں دیکھنا -

☆..... سونے کی حالت میں آنکھوں کا سوجانا اور دل کا بیدار رہنا (یہ خصوصیت دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی بھی ہے) - (تفیر عزیزی ص ۲۱۸ پارہ نمبر ۳)

☆..... کہانت کا منقطع ہوجانا -

☆..... اذان و اقامت میں نام مبارک ہونا -

☆..... ایسی کتاب عطا ہونا جو ہر طرح مججز ہے لفظا بھی معنی بھی تغیر سے محفوظ رہنے میں بھی ، حفظ یاد ہوجانے میں بھی -

☆..... صدقہ کا حرام ہونا -

☆..... ازواج مطہرات کا امت پر ابدأ حرام ہونا -

☆..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی نسب اولاد کا ثابت ہونا -

☆..... دور تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب دشمن پر پڑنا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم عطا ہونا -

☆..... تمام خلاق کی طرف مبعوث ہونا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہونا -

☆..... آپ کے تبعین کا سب انبیاء علیہم السلام کے تبعین سے زیادہ ہونا - (نشر الطیب ص ۱۸۲)

○..... شاگرد: استاد محترم! : آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کون

سی خصوصیات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن عطا کی جائیں گی ؟

☆..... استاد بکمل کا تو احاطہ نہ ہو سکتا - البتہ چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں -

☆..... سب سے پہلے آپ کا قبر سے باہر نکلا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلے بے ہوش سے ہوش میں آنا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میدانِ حرث میں براق پر سوار ہو کر آنا اور بطور اعزاز ستر ہزار فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہونا -

☆..... عرش کی دائی جانب کرسی پر آپ کا بیٹھنا -

☆..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود عطا ہونا -

☆..... لوازِ احمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے ساتھ ہونا -

☆..... حضرت آدم علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ ذریات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہونا -

☆..... ہر نبی کا اپنی اپنی امتوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچے پیچھے ہونا -

☆..... دیدارِ خداوندی سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہونا -

☆..... شفاعتِ عظیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہونا -

☆.....پل صراط پر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کو لے کر گزنا۔

☆.....سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت کا دروازہ ہونا۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۱۸ پ ۳۰ و کنز العمال ص ۴۰۳ ج ۱۱)

○.....شاگرد: استاد محترم! وہ کیا خصوصیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے مجملہ دیگر ائمہ کے خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو عطا ہوتیں؟

☆.....استاد: یہ ”خصوصیاتِ امتِ محمدیہ“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلاتی ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

☆.....غنام کا حلال ہونا

☆..... تمام روئے زمین پر نماز کا جائز ہونا۔

☆.....نماز میں ان کی صفوں کا بطرز ملائکہ ہونا۔

☆.....جمعہ کا ایک خاص عبادت کے لیے مقرر ہونا۔

☆.....یوم جمعہ میں ساعتِ اجابت کا ہونا (یعنی جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھری کا آنا جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں)۔

☆.....روزہ کے لیے گھری کی اجازت کا ہونا۔

☆.....رمضان میں شبِ قدر کا عطا ہونا۔

☆.....وسوہ خطہ اور نسیان کا گناہ نہ ہونا۔

☆.....احکام شاقہ کا مرتفع (ختم) ہو جانا۔

☆.....تصویر کا ناجائز ہونا۔

☆.....اجماعِ امت کا جلت ہونا اور اس میں ضلالت و گمراہی کا اختیال نہ ہونا۔

☆.....اختلاف فرعی کا رحمت ہونا -

☆.....پہلی امتوں جیسے عذابوں کا نہ آنا -

☆.....علماء سے وہ کام لینا جوانبیاء علیہم السلام کرتے تھے -

☆.....قیامت تک جماعت اہل حق کا مَوْيِدُهُ مِنَ اللَّهِ ہو کر پایا

جانا - (نشر الطیب ص ۱۸۵)

☆.....امت محمدیہ کا دیگر انبياء کی امتوں پر گواہ بننا جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے : لَتُكُوْنُوا شَهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (سورة البقرہ ، آیت نمبر ۱۷۳)

ترجمہ : تاکہ تم وہ گواہ لوگوں پر - (تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر

(قیامت کے دن) - (روح المعانی ص ۵ ج ۲ پ ۲)

آقائے نادر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے متعلقات

○ شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وفات پا گئے تو آپ کو غسل و کفن کن کپڑوں میں دیا گیا؟

☆.....استاد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سوچنے لگے کہ آپ کے کپڑے مثل دوسرے مردوں کے اتارے جائیں یا مع کپڑوں کے غسل دیں۔ جب آپس میں اختلاف

ہوا تو اللہ نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ گھر کے ایک گوشہ سے کہنے والے نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع کپڑوں کے غسل

دوتب آپ کو مع کپڑوں کے غسل دیا گیا۔ پس قیص کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے اور قیص سمیت ملتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتہ نچوڑا گیا اور نکال لیا گیا تھا۔ (نشر الطیب ص ۲۰۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا

گیا۔ (رواه الشیخان ، بحوالہ نشر الطیب)

۵.....شاگردو: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کیسے پڑھی گئی اور پہلے کس نے پڑھی؟

☆.....استاد: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی گئی بلکہ علیحدہ علیحدہ پڑھی گئی۔ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں معلوم کیا تھا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب غسل ، کفن سے فارغ ہو جاؤ تو میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا۔ اول ملائکہ نماز پڑھیں گے پھر تم گروہ در گروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا اور اول اہل بیت کے مرد پڑھیں گے۔ پھر ان کی عورتیں ، پھر تم اور لوگ۔ ہم نے عرض کیا کہ قبر میں کون اتارتے گا ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اہل بیت اور ان کے ساتھ ملائکہ ہوں گے۔ (نشر الطیب ص ۲۰۳)

۵.....شاگردو: استاد محترم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کس نے کھودی اور کیسے کھودی؟

☆.....استاد: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلی قبر کھودی۔ (ترمذی ص ۱۲۲ ج ۱)

۵.....شاگردو: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر مبارک میں کن کن حضرات نے اٹارا؟

☆.....استاد: آپ کو چار صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبر میں اٹارا ، جن کے نام حسب ذیل ہیں :

(۱)..... حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ (۲)..... حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے:.....
 (۳)..... حضرت قثم رضی اللہ عنہ۔ (۴)..... حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ - (نشر الطیب ص ۲۰۶)

○..... شاگرد: استاد محترم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد مبارک پر کتنی ایشیں رکھی گئیں اور کیسے رکھی گئیں - کچھی تھیں یا بکی؟
 ☆..... استاد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد پر رکھی جانے والی ایشیں نو تھیں جو کھڑی کر کے رکھی گئیں اور یہ ایشیں کچھی تھیں - (نشر الطیب ص ۲۰۶)

○..... شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دفن کیا جانے لگا تو آپ کی کمر مبارک کے نیچے کپڑا کس نے بچایا اور کیا بچھایا؟

☆..... استاد: حضرت شرقان رضی اللہ عنہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے اپنی رائے سے ایک کھیں جو نجran کا بنا ہوا تھا بچھا دیا تھا، جس کو یہ صحابی رضی اللہ عنہ اوڑھا کرتے تھے - (ترمذی ، نشر الطیب ص ۲۰۶)

○..... شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی کس نے چھڑکا اور کتنا چھڑکا، کدر سے شروع کیا تھا؟

☆..... استاد: حضرت بلاں رضی اللہ عنہ نے چھڑکا ایک مشک چھڑکا اور سرہانے کی طرف سے شروع کیا تھا - (نشر الطیب ص ۲۰۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوت اور بعض اہم معلومات:

○ شاگرد: استاد محترم! وہ کون سے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑھائی؟

☆..... استاد: ہاں وہ صحابی حضرت سہل بن بیضا رضی اللہ عنہ ہیں۔ (مسلم بحوالہ مکملہ ص ۱۲۵ ج ۱)

○ شاگرد: استاد محترم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے دفن ہونے کا شرف پانے والے صحابی رضی اللہ عنہ کون ہیں؟

☆..... استاد: حضرت عبد اللہ ذو المجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (ترمذی، ہدایہ)

○ شاگرد: استاد محترم! کیا کوئی آدمی ایسا بھی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدست خود نیزہ مارا ہو اور اس سے وہ ہلاک ہو گیا ہو؟

☆..... استاد: ہاں! وہ ایک کافر ہے جس کا نام ابی بن خلف ہے، غزوہ احمد میں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (بخاری شریف)

○ شاگرد: استاد محترم! غزوہ احزاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو خندق کھو دی تھی اس کی کھدائی کتنے دونوں میں ہوئی اور اس خندق کی مقدار کیا تھی؟

☆..... استاد: اس خندق کی کھدائی چھ دن میں مکمل ہو گئی اور یہ خندق ساڑھے تین میل لمبی اور تقریباً پانچ گز گہری تھی۔ (معارف القرآن ص ۱۰۳ و ص ۷۰ پارہ ۲۱)

○.....شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے کون سا غزوہ کیا؟

☆.....استاد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے جو غزوہ کیا ہے وہ غزوہ ابواہ ہے اس کے بعد بواط پھر عشر - (بخاری شریف ص ۵۶۳ ج ۱)

○.....شاگرد: استاد محترم! کل غزوات کتنے پیش آئے؟

☆.....استاد: کل غزوات کی تعداد انتیس ہے۔ (بخاری شریف ص ۵۶۳ ج ۱)

○.....شاگرد: استاد محترم! وہ غزوات جن میں کفار سے مقابلہ ہوا کتنے ہیں اور وہ کون کون سے ہیں؟

☆.....استاد: وہ غزوات کل نو ہیں۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ فتح احزاب، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی مصطلق، غزوہ خیبر، غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف۔ (حاشیہ بخاری شریف ص ۵۶۳)

○.....شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف کتنے دن نماز ادا کی؟

☆.....استاد: سولہ مہینے یا سترہ مہینے نماز ادا کی۔ اس کے بعد بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے گیا تھا۔ (جلالین ص ۲۱، پ ۲)

○.....شاگرد: استاد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الوفات کس دن شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرض میں کتنے دن رہے؟

☆.....استاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتداء پیر

کے دن سے ہوئی۔ بعض نے ہفتہ کا دن اور بعض نے بده کا دن بتایا ہے اور کل مدت مرض بعض نے ۱۳ دن اور ۱۴ دن اور بعض نے دس دن بیان کی ہے۔ اس اختلاف میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مرض کی ابتداء کو بعض لوگ خفیف سمجھ کر شمار نہیں کرتے اور بعض لوگ شمار کرتے ہیں۔ (نشر الطیب ص ۲۰۲)

۵۔ شاگرد: استاد محترم ابو قت وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام کیا تھا؟

☆..... استاد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا: اللہمَ
بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى۔ (بخاری ص ۶۲۱ ج ۲)



دعوت و تبلیغ

۵.....شاگرد: استاد محترم! کیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا ہے؟ اور تبلیغ کے معنی اور مطلب کیا ہے؟

☆.....استاد: تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا اور بُنی نوع انسان کے لئے بہتر سمجھتے ہیں اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ جس طرح ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا سیں اور ان کے بتلائے ہوئے نیکی اور پرہیزگاری کے اُس سیدھے اور روشن راستے پر چلیں جس کا نام ”اسلام“ ہے چنانچہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور اس کا دائرہ کسی ایک ملک، ایک قوم یا ایک زمانہ تک محدود ہونے کی بجائے کل اقوام عالم اور تمام زمانوں پر جیط ہے۔ اسی لئے ہر دور اور ہر زمانہ کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تمام اقوام کو دین حق کی دعوت دیں اور انہیں اسلام کی طرف بلا میں اور اس طرح اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اے علی (رضی اللہ عنہ)! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت

سے بھی بڑھ کر ہے ۔ ”

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ”خیر امت“ قرار دیا ہے اور اس لحاظ سے اس کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت میں کوشش رہے ۔ چنانچہ فرمایا :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَايَتُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

” تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لیے وجود میں آئی گئی ہے ۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو ، اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو ۔ ”

یعنی امت مسلمہ فکر و عمل کی امتیازی خوبیوں میں دنیا کی تمام قوموں اور جماعتوں میں ایک ” بہترین امت “ ہے ۔ یہ زندگی کے میدان میں یونہی معمول کے مطابق نہیں آنکھی ہے بلکہ اسے ایک عظیم مقصد کی خاطر نہایت اہتمام سے بربا کیا گیا ہے ۔

” اسے سارے انسانوں کے لیے وجود میں لایا گیا ہے ۔ ”

یعنی اسے سارے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اٹھایا گیا ہے اور اب رہتی زندگی تمام انسانی جماعتوں کی پیشوائی اور امامت کا فریضہ اسی کو انجام دینا ہے ۔

اس آیت میں امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ خلق اللہ کو نفع پہونچانے ہی کے لئے وجود میں آئی ہے ۔ اور اس کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ خلق اللہ کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی لفڑ اس کا منصبی فریضہ ہے اور پچھلی سب امتوں سے زیادہ امر بالمعروف اور نبی عن المکر کی تمجیل اس امت کے

ذریعہ ہوئی ۔ اگرچہ امر بالمعروف اور نبی عن المکر کا فریضہ چھلی امتوں پر بھی عائد تھا ۔

مؤمن کی خاص صفات جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں ان میں نیکیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا بڑی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہے :

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمُ أُولَئِكَ بَعْضٌ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوْنَ
وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ طَ اُولَئِكَ سَيِّرَ حَمْمُهُمُ اللَّهُ ط

” اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں ۔ یہ لوگ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں ۔ عقربیب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا ۔ ”

نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے ۔

(سورہ عصر) نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ ان کا صرف اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ۔ ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا ۔ خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے اعمال سئیہ سے غفلت بر تبا اپنی نجات کا راستہ

بند کرنا ہے۔ اگرچہ خود وہ کیسے ہی اعمال صالح کا پابند ہو، اسی لئے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی قدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔

بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو نیک جانتے ہیں انہیں اپنی عبادت اور ذکر و وِرد کا تو خیال ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کو حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی گناہوں سے نہیں روکتے۔ بڑے تہجد گذار ہیں، لمبے لمبے نوافل پڑھتے ہیں، خانقاہ والے مرشد ہیں، لیکن لڑکے خانقاہ ہی میں ڈاڑھی موٹڈ رہے ہیں۔ لڑکیاں بے پردہ ہیں، لیکن اباجان ہیں کہ اپنی نیکی کے گھمنڈ میں بتلا ہیں۔ کبھی حرفي غلط کی طرح بھی براشیوں سے روک ٹوک نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ خود بھی اپنے اعمال و اخلاق کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق درست کرو۔ اور اپنے دوسرے بھائیوں کے اعمال کو درست کرنے کی بھی فکر رکھو۔ یہی مضمون ہے جو سورہ والعصر میں ارشاد فرمایا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصِّلْحَتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبَرِ ۵

” یعنی آخرت کے خسارہ سے صرف وہ لوگ محفوظ ہیں جو خود بھی ایمان اور عمل صالح کے پابند ہیں اور دوسروں کو بھی عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔ ”

اس جماعت داعیہ کا دوسرا وصف اور امتیاز خصوصی یہ بتایا ہے:

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَاوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ” یعنی وہ لوگ بھلائی کا حکم

دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں ۔ ”

معروف میں وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں داخل ہیں جن کا
اسلام نے حکم دیا ہے ۔ اور ہر نبی نے ہر زمانے میں اس کی ترویج
کی کوشش کی ۔ اور چونکہ یہ امور خیر جانے پہنچانے ہوئے ہیں اس
لئے معروف کہلاتے ہیں ۔

اسی طرح منکر میں تمام وہ برائیاں اور مفاسد داخل ہیں جن
کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ناجائز قرار دینا
علوم و معروف ہے ۔

اس لیے ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے
کا مامور ہے ۔ اپنے گھر کے بڑے ، اداروں کے بڑے ، کمپنیوں
اور فرموں کے ذمہ دار حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت
کے اس فریضے کو انجام دیں ۔

قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہ کرنا اور برائیوں سے نہ
روکنا سخت و بال کی چیز ہے ۔

ہر مسلمان امر بالمعروف اور نبی عنِّ المنکر کا پابند ہے اور اس
فریضہ کو چھوڑ دینا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب آنے کا
ذریعہ ہے ۔ اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو دعائیں تک قبول
نہیں ہوتیں ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ
میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف کرو اور نبی عنِّ المنکر
کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اوپر اپنے پاس سے عذاب بھیج

دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ دعا قبول نہ فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسا اہم اور ضروری کام ہے کہ اس کے نہ ہونے سے نیکیاں کرنے والے بھی مذاب کی لپیٹ میں آسکتے ہیں اور جب مذاب آئے گا تو جو دعائیں کی جائیں گی تو وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔

موجودہ زمانہ کے بعض خدا رسیدہ اور روش دل اللہ والوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں پر ایک عرصہ سے جو مصیبیتیں اور ذلتیں آرہی ہیں جن پر یثانیوں میں ہم بتلا ہیں جو ہزاروں دعاوں کے باوجود بھی نہیں ٹل رہی ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم دین کی دعوت اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کے کام چھوڑتے ہوئے ہیں جس کے لیے ہم پیضا کیے گئے تھے اور ختم نبوت کے بعد جس کے پورے پورے ذمہ دار بنائے گئے تھے آؤ آئندہ کے لیے اس فرض انجام دینے کا ہم سب عہد کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہو۔

موہرہ کورچم (چکوال)

پاکستان

Shahra Kor Chasham (Chakwal) Pakist

جہاد فی سبیل اللہ

۵.....شاگردو: استاد محترم! جہا دفی سبیل اللہ کیا ہے اور اس کے معنی اور مطلب کیا ہے؟

☆ استاد: جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے اور اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی اور مالی اور دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو جو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی اپنے عزیز اقرباء کی اہل و عیال کی، خاندان و قوم کی جان تک قربان کر دینا اور حق تعالیٰ کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رایگان کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے میدان جنگ میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لیے بھی پوری طرح تیار رہنا یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہ اسلام کا ایک رکن بہت بڑی عبادت ہے۔

کیونکہ یہ دنیا خیر و شر کا مسکن ہے، یہاں بھلائی کی طاقتیں بھی موجود ہیں اور برائی کی بھی۔ اور دونوں کو اپنے اپنے طور پر کام کرنے کی پوری آزادی ملی ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں آپس میں مگراتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کیلئے برابر زور لگاتی رہتی ہیں۔ اس لئے یہ ایک فطری سی بات ہے کہ اسلام کی راہ بھی روکی جائے۔ اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان رکاوٹوں کے بارے میں امت مسلمہ کا رویہ کیا ہونا

چاہیے؟ اسلام اس سوال کے جواب میں ہدایت دیتا ہے کہ رکاوٹ خواہ کوئی ہو اسے ہٹانے کی بھر پور کوشش کی جائے اور مسلسل کی جائے۔ اس کوشش کو شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ جہاد کے کسی کام کیلئے اپنی کوششیں صرف کر ڈالی جائیں اور مقصد تک پہنچنے کیلئے اپنی ساری طاقت نچوڑ دی جائے۔ اس لئے راہِ خدا میں جہاد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کی خاطر اس کے دین کی پیروی اور شہادت کا حق ادا کرنے کیلئے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو بس میں ہو۔ مسلسل جہاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی راہ روکنے والوں کے خلاف مسلسل جنگ کی جائے۔ اور اس وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ اس راہ کو کھلا چھوڑ کر ہٹ نہیں جاتے۔ یہ جہاد کی آخری شکل ہے اور اس کا دوسرا اور مخصوص نام قتال ہے۔ عملی طور پر یہ جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزمًا قسم ہے لیکن دین کی بغا کیلئے بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ اسی وقت واضح کر دیا گیا تھا جس وقت کہ اس مسلسل جہاد کا سب سے پہلے حکم دیا گیا تھا۔ مسلمانو! تم پر لڑائی فرض کر دی گئی ہے اگرچہ وہ تم پر ناگوار محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناگوار سمجھو اور فی الواقع وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ یہ قتال اور مسلسل جہاد اسلام اور اہل اسلام کے حق میں بہتر کس طرح ہے؟ اس کی وضاحت دوسری آیتوں میں ملے گی جن میں قتال کی عایت میں بتائی گئی ہے۔ مثلاً اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہ جائے اور دین (اطاعت) اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے۔ یعنی جنگ کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لینے

اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بس رکنے کی راہ صاف ہو جائے اور فتنے کی حالت ختم ہو جائے ۔ ”فتنہ“ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام کی پیروی کا حق نہ دیا جائے ، انہیں اپنے معبد و حقیقی کی بندگی سے روکا جائے ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا ظلم ہے جس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا ۔ حتیٰ کہ خون نا حق کی بھی اس کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں کیونکہ اگر کسی کی جان لے لی گئی تو اس کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اسے دنیا کی چند روزہ بہار سے محروم کر دیا گیا ۔ لیکن اگر کسی سے اس کی خدا پرستی لے لی گئی اور اپنے رب کا بندہ بننے سے اسے روک دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل زندگی تباہ کر دی گئی اور اسے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم کر دیا گیا ۔ اس لئے قرآن مجید جب یہ کہتا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ چیز ہے تو ایک ایسی بات فرماتا ہے جس کی صداقت میں ذرا شک نہیں ۔ جس جہاد پر دین کی بقا موقوف ہو اور جو ایمان کی فطری مانگ ہو ۔ دین میں اس کا کوئی معمولی مقام نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن جب کبھی سچے اہل ایمان کی بنیادی صفتیں بیان کرتا ہے تو ان میں جہاد کو ضرور شامل رکھتا ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کیلئے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی ، یہی لوگ سچے مومن ہیں ۔ اے ایمان والو ! کیا میں تمہیں وہ سوداگری بتاؤں جو تمہیں آختر کے دردناک عذاب سے بچالے ؟ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ! ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاو

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں چہاد کرو۔ گویا اس کے نزدیک جہاد کے بغیر دنیا میں سچے دین و ایمان کا اور آخرت میں دردناک عذاب سے نجات کا کوئی تصور ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ قرآن مجید اور احادیث کے صفات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنا محبوب اللہ کی نگاہ میں یہ عمل ہے، نماز کے سوا کوئی اور عمل اتنا محبوب نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اس کے دین کیلئے اپنی آخری پونچی بھی ثنا کر دینے کیلئے میدان میں اتر آتے ہیں ان کو وہ اپنا محبوب کہتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جل شانہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صفائی باندھ کر لڑتے ہیں گویا سیسے پلاٹی ہوئی دیوار ہیں۔ اس محبوبیت کی تشریع زبانِ نبوی سے یوں ہے:

ایک شب و روز کی سرحدوں کی نگرانی ایک مہینے کی مسلسل روزوں اور نمازوں سے بھی افضل ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی مشہی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے ایک صحیح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے اور راہِ خدا میں دشمن کے بال مقابل آ کر پھرا رہنا، گھر کی ستر برس کی نمازوں سے بھی بہتر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کیلئے لڑنا اس کی محبت، مغفرت اور رحمت کا حق دار بنا دیتا ہے بلکہ اس کی نگاہ میں تو وہ لوگ بھی بڑا اونچا مقام پالیتے ہیں جو لڑنے والوں کی بالواسطہ مدد کرتے ہیں۔ اور جہاد کی تیاریوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ، صرف ایک تیر کے طفیل تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جو ثواب کی نیت سے یہ تیر بنتا ہے، دوسرا وہ جو اسے دشمن پر

چلاتا ہے ، اور تیسرا وہ جو یہ تیر اسے مہیا کرتا ہے ۔ ” اسی لئے مسلمان کو ہدایت ہے کہ سامانِ جنگ فراہم کر کے مقابلہ کیلئے ہمیشہ تیار رہو ۔

ارشادِ الہی ہے : مسلمانو ! جس قدر تم سے ہو سکے عددی جنگی فنِ آلاتِ حرب اور سامانِ جنگ حتیٰ کہ ہر قسم کی قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کیلئے اپنا سازو سامان مہیا کئے رہو ۔ کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنا رعب اور دھاک بٹھائے رکھو گے ۔

چونکہ لوگ قوت و طاقت کے سوا اور کسی چیز کو نہیں مانتے اس لئے فرمایا کہ مسلمان بھی تلوار کا جواب تلوار سے دینے کیلئے تیار رہیں تاکہ نہ صرف موجودہ دشمن مرعوب ہوں بلکہ وہ بھی بیبیت زدہ ہو جائیں جو آئندہ تم سے برس پیکار ہونے کا خیال رکھتے ہیں ۔ اسی لئے فوجی ٹریننگ و اسلحہ جنگ سے واقفیت و مشق ضروری ہے ۔ فرمایا تیر اندازی سیکھو اور کرو اس سلسلہ میں تم تمام کو میری تائید حاصل ہے ۔ آپ کے زمانے میں تیر اندازی سب وسائلوں سے زیادہ ضروری وسیلہ جنگ تھا ۔ اس لئے آپ صَلَّی اللہ علیہ وَالَّهُ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو فنِ تیر اندازی سے واقف رہنے کی تلقین فرمائی ۔ اس ضمن میں دور حاضر کے توب و تفنگ اور دوسرے آلاتِ حرب بھی آتے ہیں اور آج مسلمانوں پر سب آلاتِ حرب اور اسلحہ جنگ کے استعمال سے واقفیت لازمی ہے ۔ حتیٰ کہ فوجی ٹریننگ کے بعد فتوں حرب کو بھلا دینا گناہ ہے ۔ فرمایا : جس نے فنِ تیر اندازی سیکھ لیا پھر اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اسے بھلا دیا یا اس میں مہارت کھو بیٹھا تو

وہ ہم میں سے نہیں ، یا اس نے بہت بڑا گناہ کیا ۔ فنون حرب اور فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد انہیں بھلا دینا اور اسلحہ جنگ کے استعمال کو ترک کرنا بہت بڑا قومی اور ملی جرم بھی ہے ۔

جب آپ سے یہ دریافت کیا گیا :

ای النّاس افضل؟ مومن يجاهد بنفسه و ماله، في سبيل الله .

”لوگوں میں کون افضل ہے فرمایا وہ مومن جو جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے ۔“

فَاتَّحْ حَضْرَتْ عُمَرُ وَبْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَوْنِي وصیت جو انہوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی ۔

”اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو ، اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے ۔ کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں ۔“

نہ سمجھو گے تو مست جاؤ گے اے عافل مسلمانو !

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

شہادت کی فضیلت اور شہیدوں کا مرتبہ

۵.....شاگرد: استاد محترم! شہادت کی فضیلت اور شہیدوں کا کیا مرتبہ ہے؟

☆ استاد: دینِ حق پر یعنی اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کے کسی بندے یا بندی کو مار ڈالا جائے، یادیں کی کوشش و حمایت میں کسی خوش نصیب کی جان چلی جائے تو دین کی خاص زبان میں اُس کو شہید کہتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بیہاں ایسے لوگوں کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ان کو ہرگز مرا ہو اونہ سمجھو بلکہ شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خاص زندگی ملتی ہے اور ان پر طرح طرح نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

شہیدوں پر اللہ تعالیٰ کا کیسا کیسا پیار ہوگا اور ان کو کیسے کیسے انعامات ملیں گے، اس کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:.....

جنیوں میں سے کوئی شخص بھی یہ نہ چاہے گا کہ اُس کو پھر دنیا میں واپس بھیجا چلے، اگرچہ ان سے کہا چلے کہ تم کو ساری دنیا دے دی جائے گی۔ لیکن شہید اس کی آرزو کریں گے کہ ایک دفعہ نہیں ان کو دس دفعہ پھر دنیا میں بھیجا جائے تا کہ ہر دفعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو کے آئیں۔ نہیں یہ آرزو شہادت کے مراتب اور اُس کے خاص انعامات دیکھ کر ہو گی۔

شہادت کی تمنا اور اس کے شوق میں خود رسول اللہ! صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ ایک حدیث میں آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....

قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا بھی چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کر دیا جائے اور پھر میں قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر میں قتل کیا جاؤں۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضور اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....

”شہید کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے چھ انعامات ملتے ہیں:“

(۱) وہ فوراً بخش دیا جاتا ہے اور اُس کو جنت میں ملنے والا اُس کا مکان و مقام دکھا دیا جاتا ہے۔

(۲) قبر کے عذاب سے اُس کو بچا دیا جاتا ہے۔

(۳) حشر کے دن کی اس سخت گہراہٹ اور پریشانی اس کو امن دیا جائے گا جس سے وہاں سب بے حواس ہوں گے۔

(۴) قیامت میں اس کے سر پر عزت و وقار کا ایک ایسا تاج رکھا جائے گا جس میں لگا ہو ایک ایک یاقوت تمام دنیا مافیہا سے بہتر ہوگا۔

(۵) جنت کی حوروں میں سے بہتر(۷۲) اس کے نکاح میں دی جائیں گی۔

(۶) اس کے قرابت داروں میں سے ستر(۷۰) کے حق

میں اُس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اور ارشادِ الٰہی ہے:.....إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط

”واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بد لے خرید لئے ہیں کہ جنت انہی کی ہے۔“
تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے پیروں میں شجاعت و بہادری کے جوہر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام اپنے پیروں میں شجاعت بہادری کا جو جوہر پیدا کرنا چاہتا ہے گو اس میں مادی و جسمانی شجاعت سے یکسر اعراض و تغافل نہیں ہے، لیکن اس نے اپنی شجاعت بہادری کی بنیاد اس پر کھڑی نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد چند مضبوط عقائد پر رکھی ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں مارا جانا زندگی کا بہترین مصرف ہے اس خون کے پانی سے سارا گناہ کا دفتر دحل جاتا ہے۔

میدانِ جہاد میں شرکت سے جو چیز باز رکھ سکتی ہے وہ دنیا کی عیش و آرام کا خیال ہے۔ اسلام کی تعلیم نے اس خیال کا بھی قلع قلع کر دیا ہے۔ اس کی تعلیم ہے کہ مجاہدوں کی جان و مال اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاتھ اس کی خوشی اور رضا اس جنت کے بدله بکا ہوا ہے اور وہاں ان کیلئے وہ کچھ مہیا ہے جس کے سامنے یہاں کا بڑے سے بڑا عیش و آرام بھی یعنی ہے۔

لقولہ تعالیٰ : اللہ تعالیٰ (جل شانہ) نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس قیمت پر خرید لیا ہے کہ ان کیلئے جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے

جاتے ہیں ، اہل ایمان کو جو آخرت کیلئے دنیا کا سودا کر چکے ہیں - اعلان ہے جو دنیا کی زندگی آخرت کے بد لے میں بیچتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں لڑیں اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے اور پھر مارا جائے یا وہ غالب ہو تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے -

واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف .

”جنت تواروں کے سامنے میں ہے۔“

تو جو لوگ اپنے وطن سے چھوٹے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے مارے گئے ، اتاروں گا ان سے ان کی برائیاں اور داخل کروں گا ان کو جنت میں شہیدوں نے اس راہ میں جو سب سے بڑی دولت ثار کی وہ ان کی زندگی تھی وہ ان کو ازسرنوں اسی وقت دے دی جائے گی - اس عقیدہ کی تعلیم نے اس خیال باطل کا کہ شہید مر جاتے ہیں ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ ان کو مردہ نہ خیال کرو وہ خدا کے پاس زندہ ہیں - اور جو خدا تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں - خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی مہربانی سے جو دیا ہے اس سے خوش ہیں ان کی اس زندگی کو دنیا کے لوگ جان نہیں سکتے - پھر بھی ان کو زبان سے بھی مردہ نہیں کہنا چاہیے -

ارشاد الہی ہے :

”اور جو خدا تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کی خبر نہیں -“ (سورۃ البقرۃ) لیکن جہاد کے یہ اوصاف اور انعامات انہیں کیلئے ہیں جو فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے لڑتے

ہوں۔ اس تعلیم نے مجاہدین کی غرض و غایت کو اتنا اوپنچا کر دیا ہے کہ وہ ذاتی خود غرضیوں اور نفسانی غیظ و غصب اور بہادری کی نیک نامی وغیرہ کے پست جذبات سے بالکل پاک کر دی گئی ہے۔ آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص مال غنیمت کیلئے لڑتا ہے اور ایک شخص شہرت کیلئے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کی راہ میں اس کی پامردی کی نمائش ہو اور ایک شخص بہادری دکھانے کیلئے لڑتا ہے۔ ایک شخص حمیت سے لڑتا ہے، ایک شخص نمائش کیلئے لڑتا ہے، ایک شخص غصہ اور انتقام کیلئے لڑتا ہے تو آپ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کا مشترک جواب یہ دیا:

من قاتل لتكون كلمة الله اعلى فهو في سبيل الله .

”جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے لڑے وہ سبیل اللہ ہے۔“

مولانا روم فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخلاص عمل سیکھو، وہ شیر خدا تھے اور ہر کھوٹ سے پاک تھے۔ انہوں نے جہاد میں ایک پہلوان پر قابو پالیا تو پہلوان نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس قتل کرنے کی بجائے تلوار میان میں کری، وہ لڑنے والا جیران رہ گیا، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آپ نے تلوار کیوں پھینک دی اور مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کی خاطر تلوار اٹھاتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اپنے نفس کا غلام نہیں، میں تنکا نہیں ہوں جسے نفسانی ہوا تھیں ادھر ادھر اٹھاتی پھریں۔ میں حلم اور انصاف کا پہاڑ ہوں، تیز ہوا تھیں پہاڑ کو کب ہلا سکتی ہیں۔

ذکر اللہ

۵.....شاگرد: استاد محترم! ذکر اللہ کے متعلق اسلام کیا تعلیم دیتا ہے؟
 ☆.....استاد: اللہ تعالیٰ کے ذکر کی متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اُس کے بندے کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں اور اُس کی تسبیح و تقدیس اور حمد و شنا سے اپنی زبانیں ترکھیں، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت پیدا کرنے کا یہ ایک خاص ذریعہ اور آزمودہ نسخہ ہے۔

.....ارشادِ خداوندی ہے:☆

يَا يَاهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝
 ”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو۔“
 ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:.....
الَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُ الْقُلُوبُ ۝

”اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔“
 مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ سن رکھو تم کو طمانتیت قلب اللہ کے ذکر ہی سے مل سکتی ہے۔ اس لئے مسلمان اگر دنیا و آخرت میں طمانتیت چاہتا ہے، اپنے جان و ایمان لیوا امراض سے شفا یابی کا خواہاں ہے تو اس کا صرف ایک علاج ہے کہ اپنا ظاہری باطنی تعلق اللہ سے اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مضبوطی سے قائم کرے اور اپنے روز و شب اللہ کے ذکر اور اس کے محبوب پر درود و سلام سے آباد و منور کرے۔

ذکر کی حقیقت:.....

۵.....شاگرد: استاد محترم! ذکر کے کیا معنی ہیں؟

☆.....استاد: ذکر کے لفظی معنی یاد کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو یاد کرنے کا نام ذکر اللہ ہے، یاد کا اصل تعلق انسان کے دل سے پھر زبان سے ہے اور افضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر دل اور زبان دونوں سے کیا جائے۔ امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ذکر اللہ صرف تشیع و تہلیل اور زبانی ذکر میں منحصر نہیں ۔ بلکہ ہر عمل جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اطاعت میں کیا جائے وہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے ۔ بشرطیکہ نیت اطاعت کی ہو ۔ اسی طرح دنیا کے تمام کاروبار ذکر میں داخل ہیں اگر ان میں شرعی حدود کی پابندی کا وصیان رہے کہ جہاں تک جائز ہے کیا جائے اور جس حد پر پہنچ کر منوع ہے اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ سارے اعمال جو بظاہر دنیوی کام ہیں وہ بھی ذکر اللہ میں شمار ہوں گے ۔ یعنی ذکر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ سے غافل نہ ہو اور جس حال اور جس مشغله میں ہو اُس کو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے احکام کا خیال ہو بلکہ کہنا چاہیے کہ اسلام درحقیقت نام ہی اس کا ہے کہ اللہ کے بندے اپنی پوری زندگی احکامِ الہی کے ماتحت گذاریں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جس کسی کی عظمت و کمال کے خیال میں ہر وقت ڈوبا رہے اور جس کے حسن و جمال کے گیت دن رات گا تا رہے اُس کے دل میں اُس کی محبت و عظمت ضرور پیدا ہو جائے گی اور برابر ترقی کرتی رہے گی۔ اس لیے قرآن پاک

میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کی بڑی سخت تاکید فرمائی گئی ہے اور رسول اللہ ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی بڑی فضیلیتیں بیان فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں ذکر اللہ کے سوا کسی عبادت کو بکثرت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ صرف ذکر اللہ ہی ایسی عبادت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے : اے ایمان والو ! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو اور دوسری جگہ ان مردوں اور عورتوں کی تحسین فرمائی جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری کوئی عبادت ذکر اللہ کے برابر آسان نہیں اس کیلئے کوئی شرط اور پابندی نہیں۔ ہر وقت اور ہر حال میں کیا جا سکتا ہے ، بیٹھے لیئے ، وضو بے وضو ہر طرح ذکر اللہ کی اجازت ہے۔ ارشاد ہے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ، کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرمایا میں بعض اوقات چار پائی پر لیئے ہوئے اپنا وظیفہ پورا کر لیتی ہوں ۔ آیت : وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ کی تفسیر میں کثرت ذکر کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مرد اور عورتیں ہیں جو ہر نماز کے بعد اور صبح و شام اور اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جا گتے اور ہر کام کے شروع اور ختم پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کریں ۔ ان تمام حالات کیلئے رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص خاص دعائیں تلقین فرمائیں ۔ امام ابو عمرو بن فرماتے ہیں کہ جو شخص ان

تمام حالات میں حدیث کی دعاؤں کا پابند ہو جائے وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ ذکر اللہ کی سب سے بڑی خصلت اور سعادت یہ ہے کہ جس وقت کوئی بندہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ، بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی صدقہ (عمل خیر) ذکر سے افضل نہیں ہے۔ فرمایا اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کا ذکر نہیں کرتا زندہ اور مردے کی سی مثال ہے۔ یعنی جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی یاد اور زبان پر اس کا نام ہے وہ زندہ ہے اور جو شخص ان دونوں سے محروم ہے وہ مردہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ مؤمن کو حتیٰ اور کافر کو میت مردہ کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ذکر اللہ سے غافل لوگوں کو ماحول میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس مجاہد کی مانند ہے جو میدان جنگ سے بھاگنے والوں کی جماعت میں ثابت قدم رہا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہونے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام جو میں نے سنا وہ یہ تھا کہ میں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان تموت ولسانک رطب من ذکر الله۔

”تیری موت اس حال میں آئے کہ تیری زبان ذکر الہی سے تر ہو۔“

فرمایا کسی بھی آدمی نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو اللہ کے ذکر

سے زیادہ اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے والا ہو۔ فرمایا ہے شک وہ لوگ جن کی زبانیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہیں وہ ہستے ہوئے جنت میں جائیں گے۔ فرمایا ذکر اللہ کے سوا کسی کلام کی کثرت نہ کرو کیونکہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ خدا تعالیٰ جل شانہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک محبوب مشغله:
ذکر اللہ صاحبہ کرام رضی اللہ عنہم کا محبوب ترین مشغله تھا، خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے۔

وَالذُّاكِرُينَ اللَّهَ كَيْرِيَا وَالذُّاكِرَاتِ

”کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں“

اور ان کی تحسین بایں الفاظ فرمائی۔

رجال "لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةً" وَلَا بَيْعٍ "عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ.

”ایسے مردان خدا جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر

اور نماز سے غافل نہیں کرتی۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ذکر میراث رسول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمنا ہے کاش میں ذکر الہی سے ہر کلام سے عاجز ہوتا۔ امام غزالی رحمہ اللہ کا کہنا ہے ہماری تماں عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ جل شانہ کو یاد کرنا ہے۔

.....نبی کریم ﷺ کا ذکر کثرت.....

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خدا کی یاد اور

محبت کی نصیحت کی، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ توالگ چیز ہے، خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دل اللہ کی یاد سے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنچتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں۔ حصن حصین دوسو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہیں اور جن سے ہر وقت زبان القدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے :

الذين يذكرون الله قياماً وقعداً وعلى جنوبهم.

(جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت اللہ کو

یاد کیا کرتے ہیں)

یہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

دعا

۵.....شاگرد: استاد محترم! دعا کیا ہے؟ اور دعا کس سے مانگنی چاہیے؟
 ☆.....استاد: لفظ دعا عربی زبان میں کسی کو حاجت روائی کیلئے پکارنے کے معنی میں آتا ہے۔ بندے کو جب تک اپنے خالق کے مقابلے میں عاجزی اور احتیاج کا احساس نہ ہو وہ بندہ نہیں رہتا، اسی لئے نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:.....

الدُّعَاءُ مَخْرُوكٌ لِلْعِبَادَةِ۔ ”دعا عبادت کا مغز ہے“

وہ مغز کیا ہے یہی احساس اور یقین کہ میں بندہ ہوں اور محتاج ہوں اور وہ مالک اور داتا ہے میرا کام مانگنا ہے اس کا کام دینا۔ ارشاد ہے کہ آدمی کو اپنی ساری حاجتیں خدا تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر جوئی کا تمہاری بھی ٹوٹ جائے تو خدا عز وجل ہی سے مانگے اور اگر نمک کی ضرورت ہو تو وہ بھی اسی سے مانگے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کیلئے بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کے سوا نہ کوئی دعاوں کا سنتے والا اور نہ کوئی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں دعا مانگنے سے زیادہ اور کسی چیز کی وقت نہیں۔ فرمایا دعا مانگنا بعینہ عبادت کرنا ہے۔ دعا کے سوا کوئی چیز قضا کو رد نہیں کر سکتی، دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے، اور آسمان و زمین کا نور ہے جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اسی کی دعا سختیوں اور مصیبتوں کے وقت قبول فرمائیں

تو اس کو چاہئے کہ وہ فراغی اور خوشحالی میں بھی کثرت سے دعا مانگا کرے جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ سے کوئی سوال نہیں کرتا - اللہ تعالیٰ جل شانہ اس شخص سے ناراض ہوجاتے ہیں ۔

یہ سکھایا کہ مانگنا ہو تو اپنے رب ہی سے مانگو اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر یہ آس لگائے بیٹھا رہے کہ پانی اس کے منہ تک آپنچے گا ۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں ۔ لہ، دعوة الحق ۔
دعائیں قبول کرنا پروردگار عالم ہی کا کام ہے ۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادٌ عَنِّيْ فَأَنِّيْ قَرِيبٌ

”جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں“
اگر دینے والا قریب ہے اور حقیقی دینے والا بھی وہی ہے تو ان سے مانگنا جو خود محتاج ہوں اور دور بھی ہوں کوئی عقل مندی نہیں ۔ دعا مانگتے وقت دل کا رخ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف رکھو ۔ یہ نہ ہو کہ ہاتھ اللہ کے سامنے اٹھے ہیں زبان اسی سے مانگ رہی ہے لیکن دل کی توجہ کسی اور طرف ہے ۔ ایسی دعا حقیقت میں دعا کی توبین ہے ۔

فرمایا : اللہ تعالیٰ جل شانہ وہ دعا قبول نہیں کرتا جس میں دعا کرنے والے کے دل کی توجہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ہٹی ہوئی ہو ۔ دعا انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع سے مانگنی چاہیے ۔ طبیعت میں گداز اور دھمی آواز سے مانگنی چاہیے ۔ ادعو اربکم تضرعا و خفیہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

اِذْنَادِی رَبَّهُ نِدَاءٌ خَفِيًّا ۔

جہاں تک انسان کا اپنے خالق سے تعلق ہے اس کا صحیح مقام یہ ہے کہ اپنی پیدائش سے لے کر موت تک بلکہ بعد الموت تک ہر قدم پر انسان اپنے خالق کا محتاج ہے ۔ لقولہ تعالیٰ : انسانوں ! تم سب اللہ تعالیٰ جل شانہ کے محتاج ہو ، اللہ تعالیٰ ہی ہے جو غنی اور بے نیاز اور اچھی صفات والا ہے ۔

” یہ اُس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا ۔ ”

بندے کی جو دعا خدا تعالیٰ جل شانہ کی حمد و شنا اور نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے ساتھ پہنچتی ہے وہ شرف قبول پاتی ہے ۔

حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آیا نماز کے بعد اللہُمَّ اغْفِرْ لِي فرمایا تم نے دعا مانگنے میں جلدی کی جب تم نماز پڑھ کر بیٹھو تو خدا کی حمد و شنا کرو پھر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو ۔ آپ یہ فرماء ہی رہے تھے کہ دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھ کر خدا کی حمد و شنا بیان کی درود شریف پڑھا ۔ آپ نے فرمایا : اب دعا مانگو قبول ہوگی ۔

بَارَكَاهُ اللَّهُ مِنْ دُعَاهُ مَعْلُوقٍ مَعْلُوقٍ امور اور اوقات :.....
.....شاگرد: استاد محترم! ان خاص وقتوں کو بیان فرمادیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے ۔

☆.....استاد: شبِ قدر (زیادہ تر امید یہ ہے کہ شبِ قدر ماہ رمضان

کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں یعنی ایکسیوں ، تیسیوں ، پچسیوں ستائیکسیوں یا انتیسیوں شب میں آتی ہے ۔ ایکسیوں اور ستائیکسیوں شب کے متعلق سب سے زیادہ گمان ہوتا ہے) ۔

☆.....عرفہ کا پورا دن (ذی الحجہ کی نویں تاریخ)

☆.....رمضان المبارک کا (پورا) مہینہ

☆.....جمعہ کی رات (یعنی جمعرات اور ہفتہ کی درمیانی رات)

☆.....جمعہ کا (پورا) دن

☆.....(روزانہ) رات کا دوسرا آدھا حصہ

☆.....(روزانہ) رات کا پہلا تہائی حصہ

☆.....(روزانہ) رات کا آخری تہائی حصہ

☆.....(روزانہ) رات کے آخری تہائی حصہ کا درمیان

دعائیں قبول ہونے کی خاص کیفیات:

○.....شاگرد: استادِ محترم! ان خاص حالتوں کو بیان فرمادیں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہے ۔

☆.....استاد: دعا کرنے والا مذکورہ ذیل حالتوں میں دعا کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے ۔

☆.....نماز کی اذان ہونے کے وقت (یعنی اذان سننے، اذان کا جواب دینے، اور اذان کی دعا پڑھنے کے بعد دعا کرے)

☆.....اذان اور تکبیر کے درمیان (یعنی اذان و اقامۃ کے درمیان جہاں بھی موقع مل جائے، دعا کرے)

☆.....جو شخص کسی مصیبت یا سختی میں گرفتار ہو وہ حَیَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دعا کرے ۔

- ☆.....اللہ کی راہ (جہاد) میں صافیں باندھنے کی حالت میں دعا کرے
- ☆.....جب گھسان کی جنگ ہو رہی ہو (مسلمان اور کافر) ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہوں اس حالت میں دعا کرے
- ☆.....فرض نمازوں کے بعد (یعنی جماعت سے نماز پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد) دعا کرے -
- ☆.....اور (نماز میں) سجدہ کے اندر (مگر وہی دعا مانگے جو قرآن و حدیث میں آئی ہو -)
- ☆.....قرآن کریم کی تلاوت (سے فارغ ہونے) کے بعد خاص کر ختم قرآن کے بعد (خواہ خود ختم کیا ہو ، خواہ کسی دوسرے نے)
- ☆.....خاص طور پر قرآن ختم کرنے والے کی دعا
- ☆.....زم زم کا پانی پینے کی حالت میں (یعنی چاہ زم زم پر کھڑے ہو کر پانی پیئے اور دعا کرے)
- ☆.....مرنے والے کی جاں کنی کے وقت (خود مرنے والا بھی دعا کرے اور حاضرین بھی دعا کریں ، اسی طرح) میت کے پاس آنے کے وقت دعا کرے -
- ☆.....مرغ کی اذان کے وقت (یعنی مرغ کی اذان سن کر دعا کرے)
- ☆.....مسلمانوں کے (دینی) اجتماعات میں (ان مسلمانوں کے ساتھ یا تنہا دعا کرے)
- ☆.....ذکر کی مجلسوں میں (خواہ ذکر اللہ کا حلقة ہوخواہ

دریں قرآن و حدیث کا خواہ وعظ و نصیحت کا)

☆..... امام کے وَلَا الصَّارِفِينَ کہنے کے وقت

☆..... میت کی آنکھیں بند کرنے کے بعد

☆..... نماز کی اقامت (تکبیر) کے وقت

☆..... بارش برنسے کے وقت ، امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی

کتاب ”الام“ میں اس حدیث کو مرسلًا روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ :

”میں نے بہت سے علماء حدیث سے بارش برنسے کے وقت

دعا قبول ہونے (کی حدیث کو سنا اور) حفظ کیا ہے ۔“

